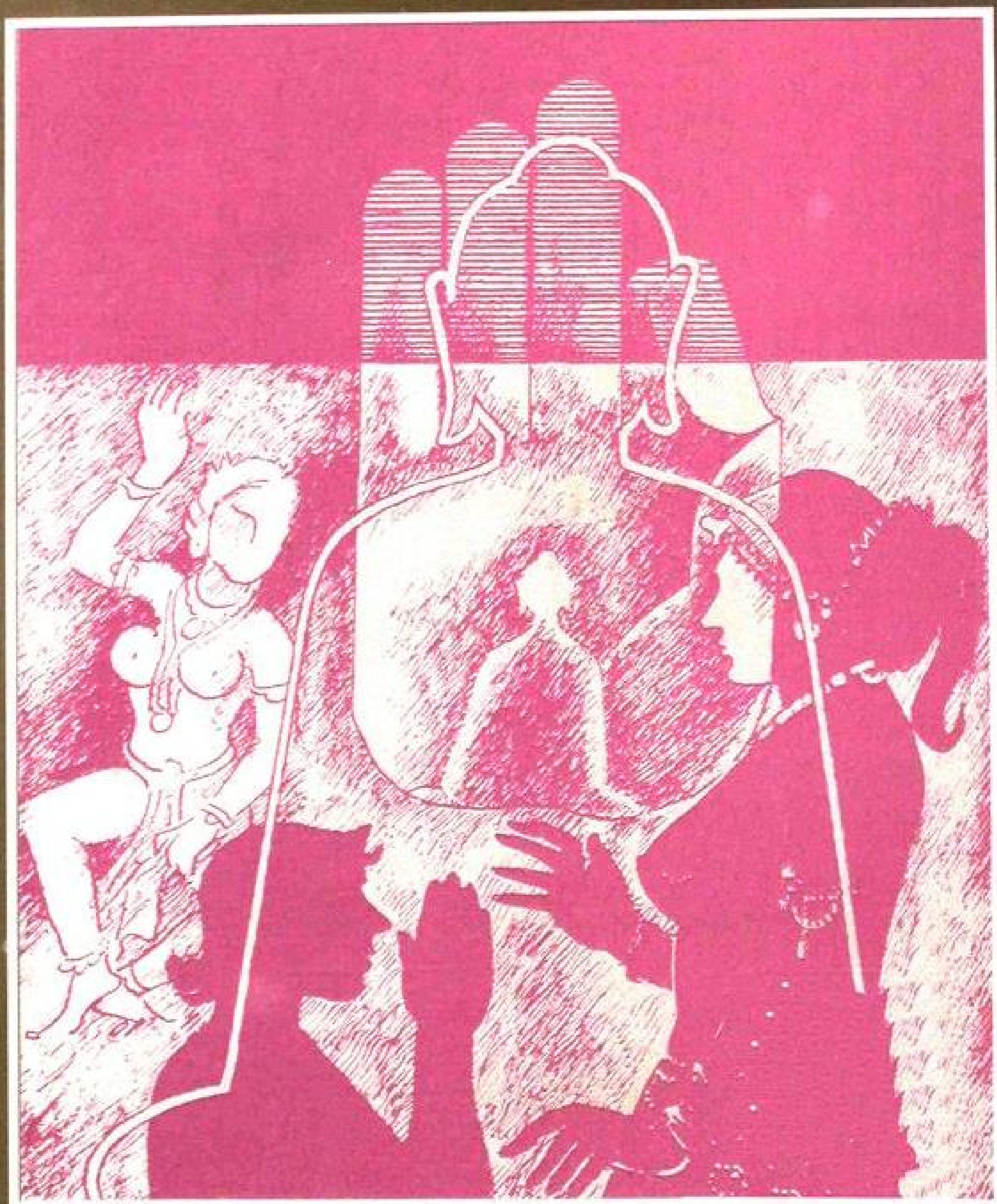
سِدّھارتھ



مصنف
ہرمن ہیس

مترجم
یعقوب یاور

نوبل اعزاز یافتہ مصنف کا ایک شاہکار ناول

سدّھارتھ

(مکمل)

نیا ایڈیشن

مصنف

ہرمن ہیس

مترجم

یعقوب یاور

Siddhartha / Hermann Hesse

Translated by Yaqoob Yawar

Rs. 90.00

پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء

دوسرا ایڈیشن (نظر ثانی کے بعد) ۲۰۰۰ء

تعداد اشاعت ۵۰۰

کمپوزنگ زرنگار کمپیوٹر کمپوزنگ سینٹر، مدنپورہ، بنارس۔

فون: ۳۹۳۱۳۱۔۳۹۲۳۲۶

سرورق اسکرین پلے، بنارس۔ ۳۹۳۴۵۴

طباعت بھارت آفسیٹ، گلی قاسم جان، دہلی ۶

قیمت ۹۰ روپے

تقسیم کار:

۱۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔

۲۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی عزیزالدین وکیل، لال کنواں، دہلی۔

۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی

۴۔ بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال

۵۔ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس۔ گولا مارکیٹ، دریاگنج، دہلی

مَادَرِ عِلمِیُ

سَیُفِیَہ کالج، بھوپَال

اور بانِیِ سَیفِیہ

مُلّا سَجّادُ حُسَیُن

کے نام

اس کتاب کی اشاعت میں

کسی سرکاری، نیم سرکاری یا نجی ادارے سے

کوئی مالی تعاون نہیں لیا گیا ہے

مندرجات

کچھ طبع ثانی کے بارے میں.....

اب تک میں نے مغربی مصنفین کے تقریباً ایک درجن ناولوں کو اردو میں منتقل کیا ہے۔سدھارتھ اس سلسلے کی اولین کڑی تھی جو پہلی بار ۱۹۸۲ء میں نسیم بک ڈپو، لکھنؤ سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی تھی۔ یہ میرا پہلا ترجمہ ہی نہیں تھا، میرے نام سے طبع ہونے والی پہلی کتاب بھی تھی۔ ناشر کو اس کا مسودہ پسند آیا، قارئین نے اس کی پذیرائی کی، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ نے اسے انعام کا مستحق سمجھا، ان باتوں نے میری قدرافزائی بھی کی اور حوصلہ بھی بڑھایا۔ کئی برسوں سے یہ ترجمہ دستیاب نہیں تھا اور اس کے دوسرے ایڈیشن کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ تاخیر سے سہی بھرحال اب یہ آپ کے سامنے ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیاکہ یہ میری پہلی کوشش تھی۔ اور پہلی کوشش میں کمیوں کا راہ پا جانا فطری ہے۔ پھر گذشتہ اٹھارہ برسوں میں میرے غور و فکر کے انداز میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ اب میں اپنے آپ کو فلسفے کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگ پاتا ہوں۔ اس لیے اس پر نظر ثانی کے دوران جہاں جہاں مجھے کمی کا احساس ہوا، میں نے دوبارہ ترجمہ کر کے شامل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس ایڈیشن کا متن پہلے کے مقابلے میں اصل سے زیادہ قریب اور اس کی زبان پہلے سے زیادہ رواں دواں ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ ایڈیشن نئے قارئین کے ساتھ ساتھ پرانے قارئین کے لیے بھی زیادہ قابلِ فہم ، زیادہ دلچسپ اور مفید ثابت ہوگا۔

بنارس

۸/جون ۲۰۰۰ء

یعقوب یاورؔ

حرفِ اول

یہ ناول سدھارتھ جرمن ناول نگار اور شاعر ہرمن ہیس (Hermann Hesse) (۱۸۷۷ء تا ۱۹۶۲ء) کے شہرہ آفاق ناول کا اردو ترجمہ ہے۔ ہرمن ہیس نے اپنی تخلیقات سے ساری دنیا کے ذہنوں کو متاثر کیا ہے ان کے ناول "دس گلاس پرلنش پیل" (Das Glasperlenspiel) پر ۱۹۴۶ء میں ادب کا نوبل پرائز ملا۔ انھوں نے مشرقی تہذیب خصوصاً قدیم ہندوستانی تہذیب کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ستمبر ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کا سفر بھی کیا۔ اور یہاں کافی عرصہ مقیم رہے۔

سدھارتھ ہندوستان کے روحانی اور معاشی پس منظر سے ابھرتا ہوا ذہنی انتشار اور کشمکش میں مبتلا ایک کردار ہے جو تلاش حق میں سرگرداں رہ کر اپنی منزل مقصود حاصل کر لیتا ہے۔ سدھارتھ اور گوتم بدھ کے کرداروں اور ان کے خیالات میں یکسانیت کے باوجود دونوں کرداروں کی انفرادیت کو برقرار رکھنا ہرمن ہیس کا کارنامہ ہے۔ اس ناول میں قدیم ہندوستانی رسم و رواج اور تہذیب کی خوبصورت عکاسی کے ساتھ ہی زندگی کا مقصد اور انسانی نفسیات سے بحث کی گئی ہے۔ سدھارتھ ابھی اپنے تخلیقی مراحل سے گذر کر پریس میں پہنچا تھا کہ لوگانو میں ایک بین الاقوامی ادبی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہرمن ہیس، برٹرنڈ رسل، رومیں رولاں وغیرہ کے علاوہ ہندوستانی مفکر اور مورخ کالید اس ناگ نے بھی شرکت کی۔ سدھارتھ پر اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا "یہ پہلی کتاب ہے جس میں مشرقی تہذیب کو حقیقی شکل میں اہل مغرب کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ تمام یوروپی زبانوں میں ہونا چاہئے" ناگ کی یہ خواہش برسوں بعد ۱۹۵۰ء میں پوری ہوئی جب اس ناول کا ترجمہ انگریزی اور دوسری یوروپی زبانوں کے علاوہ

دنیا کی کئی اور قابلِ ذکر زبانوں میں ہوا۔

اس ناول کو پڑھنے کے بعد مجھے خیال ہوا کہ اردو دنیا کو بھی مشرقی تہذیب کے بارے میں ایک مغربی مفکر کے نظریات سے واقف ہونا چاہئے اس مقصد کے پیش نظر میں نے اس ناول کا ترجمہ پیش کرنے کی جرأت کی۔ میں اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ اہل نظر قارئین کو کرنا ہے۔ اگر یہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی تو میں آئندہ بھی اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے مغربی مصنفین کے دیگر فلسفیانہ ناولوں کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

استاد محترم عبد القوی دسنوی کی میرے دل میں بہت عزت ہے انھوں نے میری خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشنے میں نہ صرف نمایاں حصہ لیا ہے بلکہ ان کی محبت اور شفقت نے قدم قدم پر میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ہے۔

آخر میں محترم نسیم انہونوی صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوش گوار فرض تصور کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کی خاص توجہ کے بغیر اس ناول کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ انھوں نے اس ترجمے کی اشاعت کی تمام تر ذمہ داریوں کو قبول کر کے میری ہمت افزائی کی ہے۔

بھوپال
۱۳/ فروری ۱۹۸۲ء

یعقوب یاورؔ

حصۂ اوّل

برھمن زادہ

گھر میں، کشتیوں کے آس پاس، ندی کے کنارے پھیلی دھوپ اور انجیر کے درختوں کے سائے میں برہمن زادہ سدھارتھ اپنے دوست گووندا کے ساتھ نوجوانی کی حدیں چھو رہا تھا۔اس کے کندھے ندی میں غسل کرتے ہوئے، ہون کرتے ہوئے، آفتاب کی تمازت سے سنولا گئے تھے۔ جب سدھارتھ کی ماں میٹھے گیت گاتی اور باپ عالموں کی محفلوں میں پند و نصائح بیان کرتا، وہ اپنے دوستوں کے ساتھ آم کے درختوں کے سائے میں کھیلتا اور سائے اس کے سر سے دعاؤں کی طرح گذرتے۔ کم عمری میں ہی سدھارتھ عالموں سے مباحثے کرتا اور گووندا کے ساتھ دھیان اور غور و فکر کا ریاض کرتا۔اس نے خاموشی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے 'اوم' کی ادائیگی سیکھی۔ جب وہ سانس کھینچ کر باہر چھوڑتے ہوئے 'اوم' کہتا تو اس کا چہرہ پاکیزگی روح سے منور ہو جاتا۔اس نے کل کائنات پر بسیط پرماتما کو اپنی آتما کی گہرائیوں میں پہچاننا بھی سیکھ لیا تھا۔

سدھارتھ کی صلاحیتیں اور حصولِ علم کی شدید خواہش دیکھ کر باپ مسرور ہوتا۔وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا بیٹا ایک عالم، ایک عبادت گزار برہمن بن رہا تھا۔ماں کو فخر تھا کہ اس کا بیٹا توانا اور خوبصورت جسم کا مالک ہے جب وہ ماں کو مؤدبانہ سلام پیش کرتا تو اس کی آنکھیں جوشِ مسرت و انبساط سے نم ہو جاتیں۔

جب سدھارتھ گاؤں کے راستوں سے گذرتا تو اس کی شہزادوں جیسی آنکھیں اور خوبصورت جسم دیکھ کر برہمن زادیوں کے دلوں میں محبت کی شمعیں روشن ہو جاتیں۔

اس کا دوست برہمن زادہ گووندا اسے دوسروں سے زیادہ چاہتا تھا۔اسے سدھارتھ کی آنکھوں سے محبت تھی، اس کی آواز سے محبت تھی، اس کے پیروں کی آہٹ سے محبت تھی اور ان سب سے زیادہ وہ سدھارتھ کے خیالات، اس کے آہنی ارادوں، زبردست قوتِ ارادی اور صلاحیتوں سے متاثر تھا۔ گووندا کو یقین تھا کہ سدھارتھ ایک بے وقوف برہمن، کاہل راج پروہت،

لالچی نجومی، مغرور واعظ یا چاپلوس پجاری نہیں بنے گا۔ کبھی نہیں۔ وہ خود بھی ان میں سے کچھ نہیں بننا چاہتا تھا۔ وہ دوسرے ہزاروں برہمنوں جیسا ایک برہمن نہیں بننا چاہتا تھا۔

گووندا اپنے عزیز دوست سدھارتھ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب کبھی سدھارتھ عرفان حاصل کر کے انوار الٰہی میں غرق ہو جائے گا تو وہ اس کے دوست کی طرح، اس کے خادم کی طرح، اس کے محافظ کی طرح، اس کے سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہے گا۔

سدھارتھ سب کو پیارا تھا۔ اسے دیکھ کر سب کے دل مسرور ہو جاتے۔

لیکن سدھارتھ بذاتِ خود خوش نہیں تھا۔ انجیر کے باغوں کی گلابی رہ گذاروں میں رواں، آم کے درختوں کے ہلکے آسمانی سائے میں محوِ استغراق، غسلِ سحر کے لیے جاتا ہوا، آم کے گھنے درختوں کے نیچے ہون کرتا ہوا سدھارتھ، سب کا پیارا اور دلارا سدھارتھ، مغموم تھا۔ اس کا دل مسرت کے دوام سے کوسوں دور تھا۔ بہتی ہوئی ندی سے، رات میں ٹمٹماتے ستاروں سے، سورج کی شعاؤں سے خیالات کا طوفان اٹھتا۔ مختلف سوالات اٹھتے اور اس کا دل مغموم ہو جاتا پاک شعلوں کے دھویں سے، رگ وید کی رچاؤں اور برہمنوں کے بیانات سے اٹھتے ہوئے یہ سوالات اس کے ضمیر پر تازیانے کا کام کرتے اور وہ مغموم ہو جاتا۔

سدھارتھ نے محسوس کیا کہ اس کا اندروں نا آسودگی کا شکار ہے۔ اسے لگا کہ والدین اور گووندا کی محبت اسے ہمیشہ خوش نہیں رکھ سکتی۔ ان سے دائمی مسرت کی امید نہیں کی جا سکتی۔ وہ سوچتا میرے والد اور اساتذہ نے اپنی تمام علمیت کے نچوڑ سے میرے خالی ذہن کو پر کر دیا ہے پھر بھی یہ بھرا نہیں۔ دماغ کی تسکین نہیں ہوئی، روح مطمئن نہیں ہوئی۔ دل ابھی بھی متجسس ہے۔ غسل سحر بہتر ہے لیکن وہ ہے تو پانی ہی۔ پانی جس سے گناہ نہیں دھلتے۔ روح کی افسردگی کا بار کم نہیں ہوتا۔ عبادات اور ہون ٹھیک ہیں لیکن کیا یہی سب کچھ ہے؟ کیا یہ اعمال مسرت بخش ہیں؟ اور دیوتا؟ کیا یہ سچ ہے کہ پرجاپتی نے کائنات کی تخلیق کی ہے؟ کیا وہ پرماتما ہے؟ تنہا، جس نے یہ سب تخلیق کیا؟ کیا دیوتا بھی ہماری طرح فانی نہیں ہیں؟ تب کیا دیوتاؤں کی عبادت درست اور صحیح عمل ہے؟ تب اس ایک پرماتما کو چھوڑ کر کس کے لیے عبادات کریں۔ اور اگر پرماتما ہمارے وجود میں، ہمارے اندر موجود نہیں ہے تو اسے کہاں تلاش کریں۔ وہ کہاں ہے؟ وہ دل کہاں دھڑکتا ہے، وہ روح کہاں ہے۔ مادہ وہ نہیں ہے، فکر و ہوش بھی نہیں ہے۔ تب وہ ہے کیا، آتما کی طرف جانے کا دوسرا راستہ ہم کہاں تلاش کریں۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا، کوئی نہیں جانتا۔ نہ اس کا باپ، نہ استاد، نہ پنڈت، نہ صحیفے۔ برہمنوں اور ان کے مقدس صحیفوں میں سارا علم پوشیدہ ہے۔ انھوں نے ہر موضوع پر گفتگو کی ہے۔ کائنات کی تخلیق،

آواز کا مخرج، غذا، انفاس کی آمد ورفت، اعضائے جسم، دیوتاؤں کے اعمال۔ بے پناہ علم ہے ان میں۔ لیکن یہ سب آخر کس کام کا، جب وہ ایک اہم بلکہ اہم ترین موضوع سے ناواقفیت کا اظہار کرتے ہیں۔

مقدس صحیفوں کی بے شمار رچاؤں خصوصاً سام وید کے اپنشدوں میں اس موضوع پر بحث ہے۔ لکھا ہے۔ 'تمہاری آتما میں ہی کل کائنات پوشیدہ ہے'۔ اس میں کہا گیا ہے کہ انسان سوتے میں اپنے وجود کے اندر تہ در تہ اترتا جاتا ہے۔ اور آتما تک پہنچ جاتا ہے۔ ان رچاؤں میں بے شمار گنجینہ ہائے علوم پوشیدہ ہیں۔ پنڈتوں کا تمام علم ان میں بکھرا ہوا ہے۔ تازہ، شیریں، دل کش اور صاف زبان میں۔ نہیں ان پنڈتوں اور ان کے خاندان کے ذریعہ یکجا کی گئی اس بیش قیمت شے کو یوں ہی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس سے مفر مناسب نہیں۔ لیکن وہ برہمن، وہ پجاری، وہ عالم کہاں ہیں جو اس سنجیدہ علم کو حاصل کرنے کے ساتھ اسے محسوس بھی کر سکیں۔ اسے عملی زندگی میں استعمال کر سکیں۔ کہاں ہیں نیند میں آتما تک پہنچنے والے وہ پنڈت جنھوں نے اس علم کا اپنے تخیل، اپنی زندگی، اپنے من، اپنی گفتگو اور عمل میں مظاہرہ کیا ہو۔ سدھارتھ کئی باصلاحیت برہمنوں سے واقف تھا۔ اور سب سے زیادہ اپنے عالم، مقدس اور بلند مرتبت باپ کو جانتا تھا۔ وہ پرسکون اور ممتاز شخص تھے۔ ان کی زندگی پاک تھی۔ ان کی گفتگو میں ہوش مندی تھی۔ دماغ میں خوبصورت اور بلند خیالات تھے۔ ان کے پاس بے پناہ علم کی دولت تھی۔ مگر کیا انھیں سکون اور انبساط حاصل ہوا؟ کیا وہ بھی خواہش مند اور تشنہ نہیں ہیں؟ کیا وہ اپنی تشنگی لیے ہوئے مقدس آبشاروں کی طرف، عبادت گاہوں کی طرف، مقدس صحیفوں کی طرف اور برہمنوں سے تبادلۂ خیالات کے لیے نہیں جاتے رہتے؟ ان جیسے معصوم انسان کو روزانہ گناہوں کو دھونے اور اپنے کو پاک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پاکیزگی کا کون سا مخرج ہے جو ان کے دل میں نہیں ہے۔ یہ مخرج انسان کو اپنی آتما میں ہی تلاش کرنا چاہئے۔ یہ بھٹکاؤ ہے، سراب ہے۔

سدھارتھ مسلسل انھیں خیالات میں غرق رہتا۔ یہی اس کی تشنگی تھی، یہی اس کا درد تھا۔

وہ اکثر اپنشد کی ان رچاؤں کو دہراتا۔ برہم ہی حق ہے۔ یقیناً جو اس سے واقف ہے وہ دائمی مسرت وانبساط کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ اکثر سدھارتھ کو محسوس ہوتا کہ وہ اس دنیا کے قریب ہے لیکن وہ وہاں تک پہنچ نہیں پاتا۔ اپنی شدید پیاس بجھا نہیں پاتا۔ جن عالموں کو وہ جانتا ہے اور جن کے بیانات سے اسے خوشی ملتی ہے ان میں سے ایک بھی اس دنیا میں داخل نہیں ہو سکا۔ اپنی تشنگی دور نہیں کر سکا۔

ایک دن سدھارتھ نے اپنے دوست سے کہا! "گووندا چلو اس برگد کے درخت تک چلیں، دھیان کریں گے"۔

برگد کے درخت کے نیچے آکر وہ ایک دوسرے سے بیس قدم کی دوری پر پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ اوم کی ادائیگی کے لیے دھیان لگا کر سدھارتھ ہونٹوں میں بدبدایا۔

''اوم کمان ہے۔ آتما تیر ہے''۔

''برہم کمان کا نشانہ ہے''۔

''بغیر کاہلی کے جو اس نشانے پر تیر چلاتا ہے وہ بے خوف ہو جاتا ہے''۔

دھیان کا وقت گزر جانے پر گووندا اٹھا۔ شام ہو چکی تھی، عبادت کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے سدھارتھ کو آواز دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ غور و فکر میں ڈوبا بیٹھا تھا۔ آنکھیں دور کسی نشانے پر لگی تھیں۔ اس کی زبان دانتوں کے درمیان ذرا سی نظر آ رہی تھی۔ اور وہ بیٹھا تھا غور و فکر میں۔ اوم کے تصور میں۔ تیر کی طرح اس کی آتما برہم کی طرف تنی ہوئی تھی۔

ایک بار ایسا ہوا کہ قصبے میں کچھ شرون آئے وہ ادھر ادھر گھومنے والے شرون تھے۔ ڈھلتی عمر کے تین دبلے تھکے ماندے انسان۔ ان کے کندھوں پر دھول جمی تھی، اور ان سے خون رس رہا تھا۔ عریاں، سورج کی تمازت سے جھلسے ہوئے تین اکیلے اجنبی لوگ تھے۔ جیسے تین مریل سیار آدمیوں کی بستی میں آگئے ہوں۔ ان کے چاروں طرف مردہ خواہشات، سخت عبادات اور خود فراموشی کے سائے منڈلا رہے تھے۔

اس دن شام کی عبادت کے بعد سدھارتھ نے گووندا سے کہا۔ ''کل سدھارتھ یہاں سے چل دے گا دوست۔ ان شرونوں کے ساتھ''۔

گووندا کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے سدھارتھ کے چہرے پر اس کے آہنی ارادے کی جھلک دیکھی۔ کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کی طرح مضبوط۔ اسے لگا کہ سدھارتھ کا سفر شروع ہو چکا ہے۔ اس نے اپنے راستے کا انتخاب کر لیا ہے۔ وہ اس پر چل بھی رہا ہے۔ اپنے مقدر کے ساتھ۔ اس کا مقدر اپنا کھیل شروع کر چکا ہے۔ گووندا کا چہرہ کیلے کی سوکھی ہوئی چھال کی طرح بدرنگ ہو گیا۔

کرب ناک آواز میں اس نے پوچھا ''کیا تمھارے والد مان جائیں گے؟''

سدھارتھ نے جیسے خواب سے بیدار ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ گووندا کے دل میں چھپی بے چینی اس نے محسوس کر لی۔

''چھوڑو اس پر بحث کرنا فضول ہے'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کل صبح سے میرا سنیاس شروع ہو جائے گا''۔

سدھارتھ اپنے گھر گیا جہاں اس کا باپ چٹائی پر بیٹھا تھا۔ وہ ان کے پیچھے جا کر کھڑا ہو

گیا۔ کچھ دیر بعد باپ کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے پیچھے دیکھا۔ "تم؟۔۔ کچھ کہنا ہے"؟

سدھارتھ نے کہا" آپ کی اجازت سے میں کل سے گھر چھوڑ کر سنیاسیوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ شرون بننے کے لیے۔ مجھے یقین ہے میرا باپ میرے لیے رکاوٹ نہیں بنے گا"۔

برہمن خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک خاموش رہا۔ ستارے چھوٹی سی کھڑکی کے پیچھے اپنے زاویے تبدیل کرتے رہے۔ سدھارتھ، اس کا بیٹا خاموش کھڑا رہا۔ دست بستہ، غیر متحرک۔ باپ بھی گم سم بیٹھا رہا۔ ستارے اپنا سفر طے کرتے رہے۔ بالآخر خاموشی کا طلسم ٹوٹا۔ باپ نے کہا "تلخ زبان برہمنوں کو زیب نہیں دیتی لیکن تمھارے اس فیصلے سے میں خوش نہیں ہوں اور تمھارے منہ سے آئندہ یہ بات سننا میں پسند نہیں کروں گا"۔

پھر وہ آہستہ سے کھڑا ہوا، سدھارتھ پہلے کی مانند چپ چاپ کھڑا رہا دست بستہ۔

"کھڑے کیوں ہو"۔ باپ نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں"، سدھارتھ نے جواب دیا۔

افسردہ باپ کمرے سے باہر نکلا اور جاکر چارپائی پر لیٹ گیا۔

رات کا ایک پہر گزرا، نیند نہیں آئی تو اٹھ بیٹھا۔ پریشان اِدھر اُدھر چہل قدمی کرتا رہا۔ گھر کے باہر آیا۔ کھڑکی پر نظر پڑی۔ سدھارتھ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ غیر متحرک دست بستہ۔ اس کا زرد لباس جھلملا رہا تھا۔ دکھی باپ بستر پر لوٹ آیا۔

دوسرا پہر بیتا، پھر بھی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ وہ دوبارہ اٹھا، چہل قدمی کرتا رہا، گھر سے باہر آیا۔ دیکھا چاند نکل آیا ہے۔ کھڑکی سے جھانکا۔ سدھارتھ دست بستہ غیر متحرک ویسے ہی کھڑا تھا۔ چاندنی اس کی عریاں پنڈلیوں پر منعکس ہو رہی تھی۔ دکھی دل سے وہ پھر بستر پر لیٹ گیا۔

ایک پہر اور گزرا۔ پھر دو بیت گئے۔ اسی طرح وہ اٹھتا رہا۔ کھڑکی سے سدھارتھ کو چاندنی میں، ستاروں کی مدھم روشنی میں منجمد کھڑے دیکھتا رہا۔ پہر کے بعد پہر گزرتے رہے وہ چپ چاپ لوٹتا رہا۔ کمرے سے اس کی آنکھیں سدھارتھ کو مستقل کھڑا دیکھتی رہیں۔ اس کا دل غصہ، فکر، خوف، اور درد سے بھر گیا۔

رات کے آخری لمحات میں، صبح سے کچھ قبل باپ پھر لوٹا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے بیٹے کو کھڑے دیکھا۔ سدھارتھ اسے اپنے سے بلند اور اجنبی محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے پوچھا"تم کھڑے کیوں ہو سدھارتھ"؟

"آپ جانتے ہیں"۔

"دن، دوپہر، شام ایسے ہی کھڑے رہو گے"؟

"ہاں"

"تھک جاؤ گے"

"تھک جاؤں گا"

"تمھیں نیند آجائے گی سدھارتھ"

"مجھے نیند نہیں آئے گی"

"مر جاؤ گے"

"مر جاؤں گا"

"تمھیں موت قبول ہے لیکن باپ کا حکم نہیں"۔

"سدھارتھ نے ہمیشہ اپنے باپ کا حکم مانا ہے"۔

"تو تم اپنا خیال چھوڑ رہے ہو؟"

"سدھارتھ وہی کرے گا جو اس کا باپ کہے گا"۔

تب آفتاب کی پہلی نرم و نازک کرن چپکے سے کمرے میں گھس آئی۔ برہمن نے دیکھا سدھارتھ کے پیروں میں لرزش ہوئی لیکن اس کا چہرہ پر سکون تھا۔ آنکھیں کہیں دور لگی تھیں۔ اسے لگا سدھارتھ اب اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ وہ ان لوگوں کو چھوڑ چکا ہے۔

برہمن نے دھیرے سے سدھارتھ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سدھارتھ تم جنگل جا کر سنیاس لینا چاہتے ہو۔ ٹھیک ہے۔ اگر تم تلاشِ حق میں کامیاب ہو جاؤ۔ تو لوٹ کر مجھے بھی بتانا۔ یہ خیال ترک کر دو تو بھی لوٹ کر آنا۔ مجھے اپنا شاگرد بنا لینا۔ پھر ہم ساتھ ساتھ دیوتاؤں کی عبادت کریں گے۔ جاؤ اپنی ماں کو الوداع کہو۔ میرے غسلِ سحر کا وقت ہو گیا ہے"۔

باپ نے بیٹے کے کندھے سے ہاتھ اٹھایا اور باہر چلا گیا۔ سدھارتھ نے چلنے کی کوشش کی پیر لڑکھڑا گئے۔ اپنے کو سنبھال کر اس نے باپ کے لیے سر جھکایا اور ماں سے وداع لینے چل دیا۔

صبح تھکے قدموں سے سدھارتھ نے نیند میں ڈوبے گاؤں کو پار کیا۔ آخری مکان سے دبے پاؤں ایک سایہ ابھرا۔ اور اس کے پاس آگیا۔ یہ گووندا تھا۔

"تم آگئے"؟ سدھارتھ مسکرایا۔

"ہاں"۔ گووندا نے کہا۔

شرونوں کے ساتھ

شام ہوتے ہوتے شرون انھیں مل ہی گئے۔ انھوں نے ان سے ساتھ چلنے اور ان کی شاگردی اختیار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا جو منظور کرلی گئی۔

راستے میں ایک غریب برہمن ملا۔ سدھارتھ نے اپنے سارے کپڑے اسے دے دیۓ۔ صرف ایک لنگوٹ اور انگوچھا اپنے جسم پر رہنے دیا۔ وہ ایک وقت کھانا کھانے لگا اور وہ بھی خود نہیں پکاتا تھا۔ اس نے چودہ دن کا برت رکھا۔ اس کی ٹانگیں سوکھ گئیں۔ گال پچک گئے۔ پتلی انگلیوں پر لمبے لمبے ناخن اگ آئے اور چہرے کو کھردری داڑھی نے چھپالیا۔ عورتوں کے سامنے آجانے پر اس کی نگاہیں سرد پڑ جاتیں۔ کسی بھی شہر سے گذرتے ہوۓ اگر خوبصورت لباس میں ملبوس لوگ نظر آتے تو وہ حقارت سے ہونٹ سکوڑ لیتا۔ اس نے دیکھا تاجر تجارت میں مصروف ہیں، شاہزادے شکار پر جارہے ہیں، اعزا اپنے عزیزوں کی موت پر ماتم کر رہے ہیں، طوائفیں اپنے جسم کا سودا کر رہی ہیں، طبیب مریضوں کو دیکھ رہے ہیں، پروہت فصل بونے کا مہورت نکال رہے ہیں، عاشق و معشوق محبت میں مصروف ہیں، مائیں اپنے بچوں کو پیار کر رہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ایک سرسری نگاہ سے دیکھنے کے لائق بھی نہیں تھا۔ سب کچھ جھوٹ تھا فریب۔ یہ سب کچھ ایک دن فنا ہو جانے والا تھا۔ حقائق تلخ تھے اور زندگی مغموم۔

سدھارتھ کے سامنے ایک ہی مقصد رہ گیا تھا۔ انخلا۔ اپنی پیاس اور خواہشات سے، مسرت اور غم سے، دل کے انخلا کا تجربہ کرنا۔ پرماتما کے سامنے پہنچنا ہی اس کا مقصد تھا۔ جب انا کی موت ہو جاۓ گی۔ ہوس اور خواہشات کی یہ دنیا تباہ ہو جاۓ گی تو اس مقصد کا جنم ہوگا۔ تبھی وجود کی اس داخلیت کا طلوع ہوگا۔ جو عظیم ہے، راز ہے۔

سدھارتھ تپسیا کرنے لگا۔ وہ سخت گرمی میں پیاس اور درد کو برداشت کرتا ہوا اس وقت تک چپ چاپ کھڑا رہا۔ جب تک پیاس اور درد کا احساس ختم نہیں ہو گیا۔ وہ بارش میں بھیگتا رہا۔ اس

کے بال پانی میں تر ہو گئے اور ان میں سے بوندیں ٹپکنے لگیں۔ ٹھٹھرتے کندھوں، لرزتے کولھوں کی اسے پروا نہ تھی۔ وہ کندھوں اور پیروں کے انجماد تک کھڑا بھیگتا رہا۔ وہ کانٹوں کی سیج پر لیٹ گیا۔ جسم سے خون رسنے لگا۔ ناسور ہو گئے پھر بھی وہ کھڑا رہا۔ جب تک کہ خون بہنا بند نہ ہو گیا۔ ٹیس ختم نہ ہو گئی۔

وہ پالتی مار کر سانس کو دھیما کرنے، کم سے کم سانس لینے اور اسے روکنے کی مشق کرنے لگا۔ سانس اندر کھینچ کر دل کی دھڑکن کو روکنا وہ سیکھ گیا۔ وہ آسانی سے دھڑکن کو دھیما کر سکتا تھا۔ اتنا دھیما جیسے دل کی حرکت بند ہو گئی ہو۔

بزرگ شرون کے بتلائے ہوئے قواعد کے مطابق اس نے نفس کشی، استغراق اور انتقالِ روح کا عمل شروع کیا۔ بانس کے جھرمٹ سے ایک بگلا اڑا اور سدھارتھ کی روح بگلے میں داخل ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں پر پرواز کرنے لگی۔ وہ بگلا بن گیا۔ اس نے بگلے کی طرح مچھلیوں کا شکار کیا اور بگلے کی ہی طرح بھوک کا سامنا کیا۔ اس نے بگلے کی زبان بولی اور بگلے کی موت مر گیا۔ ایک مرا ہوا سیار ساحل کی ریت پر پڑا تھا۔ سدھارتھ کی روح اس میں داخل ہو گئی۔ وہ مرا ہوا سیار بن کر ریت پر پڑا رہا۔ پھر لاش پھول گئی۔ اس میں بدبو پیدا ہوئی اور وہ سڑنے لگی۔ پھر لکڑ بگھے آئے اور اس کی بوٹی بوٹی نوچ گئے۔ گوشت گدھ چٹ کر گئے۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ بچا۔ وہ بھی خاک ہو کر فضا میں تحلیل ہو گیا۔ اس کا جسم اسی طرح لوٹتا، مرتا مٹتا اور خاک ہوتا رہا۔ اس دردناک زندگی کو وہ دائرہ در دائرہ جیتا رہا۔ اس زندگی کے آخری سرے پر جہاں سارے وجوہ سارے نشانے خالی ہو جاتے ہیں اور جہاں سے پر سکون زندگی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سدھارتھ کسی کھائی میں چھپے ہوئے شکاری کی طرح نئی پیاس لیے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے احساس کو، یادداشت کو ختم کر دیا۔ وہ ہزار طرح سے اپنے وجود کو فراموش کرتا رہا۔ وہ جانور بنا۔ لاش بنا۔ پتھر بنا۔ لکڑی اور پانی بنا۔ اور ہر بار پھر سے جی اٹھا۔ وہ بار بار خود میں لوٹتا رہا۔ زندگی کے دائرے میں بھٹکتا رہا۔ اس نے پیاس محسوس کی اس پر فتح حاصل کر لی۔ لیکن پھر دوبارہ ایک نئی پیاس سے بھر اٹھا۔

سدھارتھ نے شرونوں سے بہت کچھ سیکھا۔ انا کو قربان کرنے کے کئی طریقے سیکھے۔ تکالیف برداشت کیں اور ان پر عبور حاصل کیا۔ بھوک پیاس اور تھکن برداشت کرتا ہوا نفس کشی کے راستے پر چلا۔ نفس کشی کے اس سفر میں اس نے استغراق سے کام لیا۔ اپنے دماغ کو ہر طرح سے آزاد کیا۔ ایسے کتنے ہی راستوں پر وہ چلا۔ ہزار بار خود سے آزاد ہوا اور کچھ دنوں بے وجود رہا۔ یہ استغراق اسے خود سے دور ضرور لے گیا۔ جانور اور پتھر کی شکل میں رہا لیکن اسے اس واپسی سے نجات نہ ملی۔ کبھی نہ کبھی چیزیں لوٹ ہی آتیں۔ سورج، چاند، سائے اور بارش کی دنیا نظر آ ہی جاتی۔

وہ پھر سے خود میں واپس آجاتا۔ پھر سے زندگی کے متحرک دائرے میں پھنس جاتا۔

گووندا اس کے سائے کی طرح اس کے ساتھ چلتا رہا۔ سدھارتھ کی طرح اس نے بھی مشکل سفر طے کیا۔ وہ آپس میں بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ مشق اور استغراق میں جتنی بات چیت ضروری ہوتی اس سے زیادہ نہ بولتے۔ کبھی کبھی وہ دیہات کی طرف جاتے اور اپنے گروؤں کے لیے کھانا مانگ لاتے۔

ایک دن بھیک کے لیے نکلتے وقت سدھارتھ نے گووندا سے پوچھا ”تم کیا سوچتے ہو گووندا۔ کیا ہم کچھ آگے بڑھ پائے ہیں؟ منزل نظر آرہی ہے کیا“؟

گووندا نے کہا ”ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اب بھی سیکھ رہے ہیں۔ تم بزرگ شرون بنو گے سدھارتھ۔ تم نے کتنی آسانی سے سارے طریقے سیکھ لیے۔ بزرگ شرون تمھاری تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ تم ایک دن عظیم انسان بنو گے“۔

سدھارتھ نے کہا ”مجھے نہیں لگتا۔ شرونوں سے میں نے ابھی تک جو بھی سیکھا ہے۔ وہ تو کسی سرائے میں، طوائف کے یہاں یا قلیوں اور جواریوں کے بیچ بھی اس سے کہیں جلدی اور آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا“۔

گووندا نے کہا۔ ”مذاق کر رہے ہو۔ ایسے بد نصیب لوگوں کے درمیان تم استغراق کیسے سیکھ سکتے تھے۔ بھوک اور درد کے احساس سے آزاد ہونے کا طریقہ کیسے سمجھ سکتے تھے“۔

سدھارتھ نے نرمی سے کہا۔ جیسے خود سے مخاطب ہو۔ ”یہ استغراق کیا ہے؟ جسم کی قربانی اور بھوکا رہنا یہ سب کیا ہے؟ اور نفس کشی کیا ہے؟ جسمانی تکالیف سے ایک عارضی فرار۔ زندگی کی پریشانیوں اور دکھوں کو کم کرنے کا ایک وقتی وسیلہ۔ بیل گاڑی چلانے والا بھی جب کبھی کسی سرائے میں گھس کر چاول کی شراب یا تاڑی کے کچھ گھونٹ پیٹ میں ڈال لیتا ہے تو وہ بھی اسی طرح اپنے آپ سے پرواز کر جاتا ہے۔ اس کا وجود اس کا دکھ درد نشے کی تاریکی میں اوجھل ہو جاتا ہے۔ وہ دو گھونٹ شراب پیتا ہے۔ اور ہم تم طویل مشقیں کرتے ہیں۔ نتیجہ ایک ہی ہے“۔

گووندا نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ نہ تم گاڑی بان بنو گے نہ ہمارے شرون شرابی۔ پھر بھی ایسی باتیں کر رہے ہو۔ خود سے پرواز شرابی کرتا ہے۔ اسے ایک چھوٹی سی راحت ایک لمحاتی سکون ضرور ملتا ہے لیکن وہ پھر لوٹ آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا ہے۔ شراب اسے عقل نہیں دیتی، علم نہیں دیتی، کوئی بلندی نہیں دیتی“۔

سدھارتھ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ”پتہ نہیں میں نے تو کبھی شراب پی

نہیں۔ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ سدھارتھ بھی مشقوں اور استغراق میں ایک لمحاتی راحت کے سوا کچھ نہیں پاتا۔ میں آج بھی پیٹ کے بچے کی طرح علم سے، عرفان سے، تجربات سے محروم ہوں"۔

ایسا ہی ایک بار اور ہوا۔ سدھارتھ اور گووندا اپنے اساتذہ کے لیے کھانا لانے گاؤں کی طرف جارہے تھے۔ بات چیت کے دوران سدھارتھ نے گووندا سے کہا۔ "گووندا! سوچو کیا یہ صحیح راستہ ہے؟ ہم جو زندگی کے حصار سے آزادی کے خواہاں ہیں کہیں ایک دائرے کے گرد ہی تو نہیں گھوم رہے ہیں"۔

گووندا نے کہا ہم نے کئی باتیں سیکھ لی ہیں، دوست۔ سیکھنے کے لیے اب بھی بہت کچھ باقی ہے۔ ہم دائرے کے گرد نہیں گھوم رہے بلکہ بلندیوں کی سمت جارہے ہیں۔ یہ دائرہ نما راستہ ہے جو بلندیوں کی طرف جاتا ہے، جس کی کئی سیڑھیاں ہم طے کر چکے ہیں۔

سدھارتھ نے پوچھا۔ "اپنے بزرگ شرون کی عمر کیا ہوگی"؟

"کوئی ساٹھ برس کے تو ہوں گے ہی"۔

سدھارتھ نے کہا" ساٹھ سال۔ اور ساٹھ سال میں بھی انھیں عرفان حاصل نہیں ہو سکا۔ وہ ستر اور پھر اسی کے ہو جائیں گے۔ تم اور میں بھی اسی طرح بوڑھے ہو جائیں گے۔ آسن، استغراق، برت وغیرہ کرتے رہیں گے۔ لیکن عرفان ہمیں نہیں ملے گا۔ نہ انھیں نہ ہمیں۔ ان تمام شرونوں میں سے کسی ایک کو عرفان حاصل ہو سکے گا مجھے اس میں شک ہے، گووندا۔ اس سے تسلی بھلے ہی ہو جائے۔ اپنے کو دھوکے میں رکھنے کی ترکیبیں بھلے ہی مل جائیں۔ اصل چیز ہاتھ نہیں آئے گی۔ صحیح راستہ نہیں ملے گا"۔

"ایسی خوفناک باتیں مت کرو سدھارتھ۔ اتنے علماء اتنے برہمن اتنے کٹر اور قابل شرون۔ اتنے متجسس لوگ جو اندرونِ حیات کے پوشیدہ گوشوں کی تلاش میں ہیں۔ اتنی پاکیزہ ارواح، کیا ان میں سے کوئی بھی صراطِ مستقیم نہ پا سکے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

سدھارتھ کے نرم لہجے میں اداسی اور استہزا، درد اور طنز ایک ساتھ امنڈ آیا۔ اس نے کہا" میں جلد ہی شرونوں کا ساتھ چھوڑ دوں گا گووندا۔ میں اس راستے کو چھوڑ دوں گا۔ میں تمھارے ساتھ اتنی دور آیا ہوں۔ میری تشنگی جو شروع سے موجود ہے یہاں آکر کم نہیں ہوئی۔ میں نے ہمیشہ علم کی تشنگی محسوس کی، سوالات کے ہجوم میں گھرا رہا ہوں۔ میں نے برہمنوں سے سوالات کیے مقدس ویدوں کے موضوع پر مشکوک رہا۔ ان کے بدلے اگر گینڈوں اور بن مانسوں سے

سوالات کرتا تو بھی یہ اتنا ہی پاکیزہ اور دانش مندی کا عمل ہوتا۔ میں نے کتنا وقت ضائع کر دیا۔ اور اب بھی کر رہا ہوں۔ محض یہ جاننے کے لیے کہ انسان کچھ نہیں جان سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہر چیز کی تہ میں ایسا کچھ علم پوشیدہ ہے جو سیکھنے کے دائرے سے باہر ہے۔ عمل تو ایک ہی ہے اور وہ کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ آتما ہے، مجھ میں، تم میں ہر ذی روح میں۔ اور میں یہ بھی ماننے لگا ہوں کہ اس علم کا اگر کوئی سب سے بڑا دشمن ہے تو وہ عالم ہے"۔

یکا یک گووندا رک گیا اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ایسی باتوں سے مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ۔ تمھاری باتیں تکلیف دہ ہیں۔ جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، علم کچھ نہیں ہے۔ تو سوچو ہماری عبادات بے معنی ہو جائیں گی۔ برہمنوں کا وقار، شرونوں کی پاکیزگی کہاں باقی رہے گی۔ دنیا کی تمام چیزوں کا کیا ہوگا۔ زمین پر پاکیزگی کا وجود نہیں رہے گا۔ کوئی چیز قیمتی اور مقدس نہیں رہے گی"۔

گووندا نے اپنشد سے ایک رچا دہرائی۔

"وہ ذی روح جس کی آتما پرماتما میں غرق ہو جاتی ہے، وہ
مسرت وانبساط کی اس بلندی سے روشناس ہو جاتا ہے جسے
الفاظ میں قید نہیں کیا جا سکتا"۔

سدھارتھ خاموش رہا۔ دیر تک گووندا کے الفاظ کی بازگشت اپنے اندر سنتا رہا۔ سر جھکائے۔ وہ سوچنے لگا کیا باقی رہا۔ ان تمام مقدس لگنے والی چیزوں میں آخر کار بچا بھی کیا۔ کیا ہے جو محفوظ ہے۔ سوچتے ہوئے اس نے سر کو جنبش دی۔

شرونوں کے ساتھ رہتے ہوئے، عبادات کرتے ہوئے تین برس بیت گئے۔ یکا یک ایک دن ایک افواہ، ایک اڑتی سی خبر مختلف ذرائع سے ان تک پہنچی کہ ایک شخص آیا ہے جسے لوگ گوتم بدھ کے نام سے جانتے ہیں اس نے دنیاوی مصائب پر فتح پالی ہے۔ اور تناسخ کے سلسلے کو منقطع کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ تمام ملک میں نصائح بیان کرتا گھومتا ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے نہ دولت، نہ گھر، نہ بیوی۔ سنیاسیوں کی طرح زرد چادر اوڑھے اس مقدس شخص کے سامنے برہمن اور شاہزادے سر جھکا رہے ہیں۔ اور اس کی شاگردی اختیار کر رہے ہیں۔

چہار سمت یہی موضوع بحث تھا۔ لوگ یہ خبر سنتے ہی دوسروں تک پہنچا دیتے تھے۔ شہروں میں برہمن۔ جنگلوں میں شرون۔ سبھی کے درمیان ایک ہی گفتگو تھی۔ بدھ کی شکل میں گوتم کی شہرت نوجوانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ کوئی اعتراف کرتا کوئی اعتراض۔ کوئی عزت کرتا کوئی نفرت۔

کہیں طاعون پھیلتا ہے اور ایک دن یکا یک سننے میں آتا ہے کہ کہیں سے کوئی شخص آیا،

کوئی عالم، کوئی ولی جس کی زبان اور سانس سے ہی مطعون کے دکھ دور ہو جاتے ہیں۔ یہ خبر دور دور تک پہنچتی ہے۔ کچھ اس پر یقین کرتے ہیں کچھ نہیں کرتے۔ کئی لوگ خبر پاتے ہی اس عظیم انسان کی تلاش میں نکل پڑتے۔ 'شاکیہ' خاندان کے اس عظیم انسان گوتم بدھ کی آمد کی خوش خبری ملک کے گوشے گوشے میں پھیلنے لگی۔ عقیدت مند کہتے بدھ کے پاس علم کا بیش بہا خزانہ ہے۔ اسے اپنا پچھلا جنم یاد ہے۔ اس نے عرفان حاصل کر لیا ہے۔ اور تناسخ سے آزاد ہو چکا ہے۔ اس نے چوراسی لاکھ جنموں کے چکر سے ہمیشہ کے لیے آزادی حاصل کر لی ہے۔ اور بھی کئی تعجب خیز اور ناقابل یقین باتیں ان کے بارے میں پھیلی تھیں۔ وہ کئی کرامات دکھا چکے ہیں۔ انھوں نے شیطان پر فتح حاصل کر لی ہے اور دیوتاؤں سے تبادلۂ خیالات کیا ہے۔ لیکن ان کے مخالفین، ان پر یقین نہ کرنے والوں کا کہنا تھا کہ وہ ٹھگ اور دھوکے باز ہے۔ اس کی ساری زندگی عیاشی میں ڈوبی ہوئی ہے وہ عبادات کو مہمل سمجھتا ہے۔

ان افواہوں میں عجیب کشش تھی۔ عجیب سحر تھا۔ یہاں ایک بیمار کائنات تھی۔ پر خطر زندگی تھی۔ وہاں امید کی ایک موہوم کرن، ایک مسرت بخش پیغام تھا۔ چہار جانب بدھ کے تذکرے تھے۔ سارے ہندوستان کے نوجوانوں نے سنا۔ ان میں ایک خواہش، ایک امید ابھری۔ جو زائرین شاکیہ خاندان کے اس گوتم کی خبریں لاتے ان کا استقبال ہوتا۔

ان افواہوں کو جنگل میں شرونوں، گووندا اور سدھارتھ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ ان خبروں میں جتنی امیدیں تھیں اتنے ہی شکوک بھی تھے۔ بزرگ شرون کو یہ خبریں اچھی نہیں لگیں۔ اس لیے ان کے سامنے اس موضوع پر گفتگو نہیں ہو سکتی تھی۔ بزرگ شرون نے یہ بھی سنا تھا کہ متذکرہ بدھ پہلے ایک سنیاسی تھا۔ اور جنگل میں رہتا تھا۔ لیکن بعد میں اس نے دنیاوی مسرتیں اپنا لیں۔ وہ گوتم کی حمایت میں نہیں تھے۔

ایک دن گووندا نے سدھارتھ سے کہا۔ "میں آج گاؤں گیا تھا وہاں ایک برہمن نے مجھے اپنے گھر بلایا۔ اس گھر میں مگدھ کا ایک برہمن نوجوان بھی آیا ہوا تھا۔ اس نے بدھ کی زیارت کی تھی اور اس کا وعظ سنا تھا۔ میرے دل میں ایک عجیب جذبہ پیدا ہوا اور میں نے سوچا کہ کاش تم اور میں اس عظیم انسان کے مواعظ سن سکتے۔ کاش ہم اس وقت تک جیتے رہتے۔ کیا ہم بدھ کا وعظ سننے نہیں جا سکتے سدھارتھ؟

سدھارتھ نے کہا۔ "میں تو سمجھتا تھا کہ تم شرونوں کے ساتھ رہنے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ میں نے فرض کر لیا تھا کہ ساٹھ ستر برس کا ہونا اور شرونوں کے بتائے ہوئے فنون کی مشق ہی تمھارا مقصد بن گیا ہے۔ میں کتنا انجان تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ تمھارے دل میں کیا

ہے ؟اب تم ایک نئی راہ پر چلنا چاہتے ہو۔اب تم بدھ کے مواعظ سننا چاہتے ہو۔ تعجب ہے"۔

گووندا نے کہا۔" میری ہنسی اڑانا تمھیں اچھا لگتا ہے؟ ٹھیک ہے۔ اڑاؤ لیکن اس کے مواعظ سننے کی خواہش کیا تمھارے دل میں نہیں ہے۔ تم نے بھی تو کبھی مجھ سے کہا تھا کہ کچھ دنوں میں تم یہ زندگی چھوڑ دوگے۔ نہیں کہا تھا؟"۔

سدھارتھ ہنس دیا۔ ایسی ہنسی جس میں تلخی اور طنز کی آمیزش تھی۔ اس نے کہا۔ ٹھیک کہتے ہو گووندا۔ تمھاری یادداشت اچھی ہے لیکن تمھیں یہ بھی یاد ہوگا کہ میں نے اس کے سوا بھی کچھ کہا تھا۔ جیسے یہ کہ وعظ اور درس پر اب میرا یقین نہیں رہا۔ اساتذہ سے حاصل کردہ تعلیمات پر بھی میرا یقین نہیں رہ گیا۔ پھر بھی یہ نئے مواعظ سننا مجھے منظور ہے۔ حالانکہ نصائح کی بلندی کے ذائقہ سے بھی ہم واقف ہیں"۔

گووندا نے کہا۔" تم نے میری بات مان لی مجھے خوشی ہے لیکن گوتم کے نصائح سننے سے پہلے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ ذرا سوچو"۔

سدھارتھ نے کہا۔"چلو اس پھل کا ذائقہ بھی چکھ لیں۔ آگے اور بھی ملیں گے۔ پہلا پھل جس کے لیے ہم گوتم کے احسان مند ہیں۔ یہی ہے کہ ہم شرونوں سے آزاد ہو گئے۔ اس کے علاوہ بھی پھل اچھے ہیں یا نہیں اطمینان سے دیکھیں گے"۔

اسی دن سدھارتھ نے جنگل چھوڑنے کا اپنا فیصلہ بزرگ شرون کو بتا دیا۔ اس نے انتہائی نرمی اور ادب سے درخواست کی تھی۔ جس طرح ایک نوجوان اور شاگرد کو کرنی چاہئے تھی۔ لیکن عمر رسیدہ شرون خفا ہو گئے اور بری طرح ڈانٹنے لگے۔

گووندا گھبرا گیا لیکن سدھارتھ نے اس کے کان میں کہا۔" ٹھہرو میں ابھی ان بزرگ کو بتاتا ہوں کہ میں نے ان سے کیا سیکھا ہے؟"

اپنے ہوش و حواس یکجا کر کے وہ بزرگ شرون کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اس نے بزرگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور انھیں مسحور کر دیا۔ ان کی قوت فیصلہ کو اپنے قابو میں کر لیا۔ اس وقت وہ ان سے کچھ بھی کروا سکتا تھا۔ بزرگ شرون خاموش تھے۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ان کی قوتِ ارادی مفلوج ہو چکی تھی۔ باہیں جھول رہی تھیں۔ سدھارتھ کے سحر سے وہ متاثر تھے۔ سدھارتھ کے خیالات ان کے خیالات پر حاوی ہو گئے۔ وہ سدھارتھ کی خواہش کے مطابق کام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر بزرگ شرون نے سر کی جنبش کے ساتھ سدھارتھ کو دعائیں دیں اور سفر بخیر کہا۔ دونوں دوستوں نے احسان مندی کے ساتھ ان کو سلام کیا اور چل پڑے۔

چلتے چلتے گووندا نے کہا "تم شرونوں سے اتنا کچھ سیکھ گئے ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ کسی بزرگ شرون کو یوں مسحور کر دینا ناممکن ہے۔ تم یہاں کچھ دن اور رکتے تو پانی پر چلنا بھی سیکھ جاتے"۔

"میں پانی پر چلنے کی خواہش نہیں رکھتا" سدھارتھ نے کہا۔ "ایسے فن شرونوں کو ہی مبارک"۔



گوتم

شراوستی شہر میں بدھ کی شہرت تھی۔ بچہ بچہ ان کے نام سے واقف تھا۔ گوتم کے شاگردوں اور بھکشوؤں کے کاسے کسی گھر سے خالی نہیں لوٹتے تھے۔ شہر سے کچھ ہی فاصلے پر بدھ کی قیام گاہ تھی۔ 'جیت ون' میں جسے شہر کے ایک متمول تاجر، بدھ کے ایک معتقد اناتھ پنڈک نے ان کے اور ان کے شاگردوں کے لیے بنوایا تھا۔

گوتم کی قیام گاہ تلاش کرتے ہوئے یہ دونوں سنیاسی اس شہر میں پہنچے۔ شراوستی میں جو بھی پہلا گھر انھیں ملا اس کے دروازے پر دستک دے کر انھوں نے اپنا کاسہ بڑھا دیا۔ کھانا کھانے کے بعد سدھارتھ نے کھلانے والی خاتون سے دریافت کیا۔ "دیوی کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ بدھ کہاں رہتے ہیں؟ ہم دونوں شرون جنگل سے ان کی زیارت کرنے، ان کی باتیں سننے کی خواہش لے کر آئے ہیں"۔

خاتون نے کہا۔ "آپ ٹھیک جگہ آگئے ہیں۔ بھگوان بدھ اس وقت اناتھ پنڈک کے جیت ون میں قیام پذیر ہیں۔ آپ لوگ وہاں پر رات بھی گزار سکتے ہیں۔ بدھ کی زبان سے وعظ سننے کے لیے آنے والے بے شمار لوگوں کے لیے وہاں کافی جگہ ہے"۔

گووندا خوش ہو گیا۔ "اہا! تو ہم اپنی منزل پر پہنچ ہی گئے۔ سفر تمام ہوا۔ لیکن ماں کیا آپ بدھ کو جانتی ہیں؟ کیا آپ نے انھیں دیکھا ہے"؟

"ہاں"۔ خاتون نے جواب دیا۔ "بدھ کی زیارت میں نے کئی بار کی ہے۔ زرد لباس میں، خاموشی سے گلیوں سے گذرتے ہوئے، گھروں کی دہلیزوں پر کاسہ لیے ہوئے، اور پھر کھانا لے کر چپ چاپ لوٹتے ہوئے، میں نے انھیں کئی بار دیکھا ہے"۔

گووندا ہمہ تن گوش سنتا رہا۔ وہ اور بھی کئی باتیں پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن سدھارتھ نے اسے چلنے کی یاد دلائی۔ خاتون کا شکریہ ادا کر کے وہ آگے بڑھے۔ راستے میں گوتم کے معتقدین، زائر اور

سادھو جیت ون کی طرف جاتے ملے۔ اس لیے کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جیت ون پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی۔ آنے والوں کا سلسلہ جاری تھا۔ رات میں ٹھہرنے کے لیے پوچھ تاچھ ہو رہی تھی۔ جنگل کے عادی ان نوجوانوں نے جلد ہی اپنے لیے جگہ پالی اور رات گزار دی۔

صبح اٹھنے پر انھوں نے تعجب سے دیکھا۔ معتقدین اور زائرین کا ایک عظیم سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ زرد لباس میں ملبوس سادھو خوبصورت باغوں میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ کئی لوگ درختوں کے نیچے محوِ استغراق تھے، کئی مباحثے میں مصروف تھے۔ بیشتر اپنا کاسہ لے کر دوپہر کا کھانا لینے نکل گئے۔ صبح بدھ خود بھی بھیک مانگنے کے لیے گئے تھے۔

سدھارتھ نے بدھ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ جیسے قدرت نے خود اشارہ کیا ہو، اس نے دیکھا۔ ہاتھ میں کاسہ لیے، زرد رنگ کی چادر اوڑھے ایک سادہ سا شخص چپ چاپ باہر نکل رہا ہے۔

"دیکھو گووندا"۔ سدھارتھ نے دھیرے سے کہا۔ "بدھ"۔

گووندا زرد لباس میں لپٹے اس سنیاسی کو ایک ٹک دیکھتا رہا۔ وہ دوسرے سادھوؤں سے قطعی مختلف نہیں تھا۔ پھر بھی وہ پہچان گیا۔ ہاں یہی بدھ ہیں اور دونوں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

غور و فکر میں ڈوبے بدھ چپ چاپ چل رہے تھے۔ ان کے پر سکون چہرے پر نہ مسرت تھی نہ غم۔ دل میں جیسے ایک مسرور دنیا آباد تھی۔ وہ ایک بچے کی سی معصوم مسکراہٹ کے ساتھ پر سکون قدموں سے چلتے رہے۔ انھوں نے ایک چوغہ پہن رکھا تھا اور چال دوسرے سادھوؤں کی طرح ہی تھی۔ لیکن ان کے چہرے سے، قدموں کی رفتار سے، خاموش نگاہ سے، ہاتھ اور ہاتھ کی ہر انگلی سے سکون کا احساس ہوتا تھا۔ تکمیل کا احساس تھا۔ ان میں کوئی خواہش نہیں تھی۔ کسی کی تقلید نہیں تھی۔ وہ بس ایک پر سکون خاموشی، ایک عالم سرور، ایک غیر منقطع سکون کا مخرج معلوم ہوتے تھے۔

اور اس طرح بھیک مانگتے ہوئے گوتم شہر شہر گھومتے رہے۔ ان کی سادہ مزاجی اور مہذب انداز میں کوئی تجسس کوئی خواہش کوئی نقل کوئی کوشش نہیں جھلکتی تھی۔ صرف سکون تھا۔ اور اسے محسوس کرتے ہوئے دونوں نے انھیں پہچان لیا تھا۔

گووندا نے کہا "آج ہم انھی کی زبان سے ان کی باتیں سنیں گے سدھارتھ!"۔

سدھارتھ کچھ نہیں بولا۔ نصیحتیں سننے کا اشتیاق اس میں نہیں تھا اسے یقین نہیں تھا کہ اس میں کوئی نئی بات ہوگی۔ بدھ کی تعلیمات کا خلاصہ۔ سنی سنائی ہی سہی ان تک پہنچ ضرور گیا تھا۔ لیکن اس بار اس نے گوتم کی پیشانی، کندھوں، پاؤں اور ہاتھوں پر گہری نظر ڈالی۔ اسے لگا کہ ان کی انگلیوں کے ایک ایک پور میں علم پوشیدہ ہے۔ اس میں سچائی ہے۔ بولتی، سانس لیتی، روشن سچائی۔

یہ شخص، یہ بدھ سر سے پیر تک مقدس تھا۔ ایسا احترام ایسی محبت سدھارتھ کے دل میں کبھی کسی کے لیے پیدا نہیں ہوئی تھی۔

شہر میں بدھ جہاں بھی گئے۔ دونوں ان کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر چپ چاپ واپس آگئے اور اس دن دانستہ محفل میں شریک نہیں ہوئے۔ انھوں نے دیکھا۔ گوتم لوٹے شاگردوں کے درمیان بیٹھ کر کھانا کھایا۔ انھوں نے جو بھی کھایا وہ ایک چڑیا کے لیے بھی کافی نہیں تھا۔ پھر آموں کے باغ کی طرف چلے گئے۔ شام کو جب حبس کچھ کم ہوا تو باغ میں سب لوگ ہمہ تن گوش بیٹھ گئے۔ بدھ نے اپنا وعظ شروع کیا۔ وہاں آئے ہوئے ایک ایک آدمی نے ان کا بیان سنا۔ جس میں مکمل سادگی اور سکون کا اثر تھا۔ گوتم نے غموں کے بارے میں، غموں کے مخرج کے بارے میں اور غموں سے آزادی کے بارے میں بتایا۔ زندگی دکھ، عالم اس کا گھر ہے، لیکن اس سے آزادی حاصل کرنے کا راستہ مل گیا ہے۔ جو بدھ کے راستے پر چلے گا وہ اس آزادی کو حاصل کر سکے گا۔ گوتم کی آواز بیک وقت نرم اور تیکھی تھی۔ انھوں نے چار خاص اصول بتائے۔ آٹھ راستے بتائے۔ مثالوں سے اپنی باتوں کی وضاحت کی۔ ان کی آواز روشنی کی طرح، آسمان میں ٹمٹماتے ستاروں کی طرح، تمام سامعین تک پہنچتی رہی۔

رات ہو چکی تھی۔ بدھ کا بیان ختم ہونے پر کئی سامعین نے سنگھ کی شرن میں آنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بدھ نے انھیں سنگھ میں داخل کر لیا۔ اور کہا آپ نے میری باتیں اچھی طرح سن لی ہیں تو آیئے مسرت کی سلطنت میں محوِ خرام ہو جائیں۔ غموں کو شکست دے دیں۔

شرمیلا گووندا بھی آگے بڑھا۔ اس نے کہا میں بھی بدھ کا شاگرد بننا چاہتا ہوں۔ ان کے مواعظ پر مجھے بھی یقین ہے۔ اس نے سنگھ میں شمولیت کی اجازت مانگی اور اسے داخلہ مل گیا۔

آرام کے لیے بدھ جیسے ہی اٹھے گووندا سدھارتھ کے پاس پہنچا اور بولا۔ "سنو میں تم سے شکوہ کرنے نہیں آیا۔ ہم دونوں نے گوتم کا بیان، ان کے نصائح سنے۔ میں نے سنا اور اپنا لیا۔ کیا تم نہیں اپناؤ گے ؟ اس راہ عرفان پر نہیں چلو گے ؟ کیا تم ابھی اور غور کرو گے، رکو گے ؟"۔

گووندا کی باتوں نے سدھارتھ کو جیسے نیند سے چونکا دیا۔ وہ دیر تک دوست کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے کہنا شروع کیا۔ "تم نے فیصلہ کر لیا ہے دوست۔ تم نے اپنا راستہ منتخب کر لیا ہے۔ گووندا تم ہمیشہ میرے دوست رہے ہو۔ اور ہمیشہ میرے پیچھے چلتے رہے۔ اکثر میں سوچتا تھا کہ کیا گووندا کبھی میرے بغیر بھی خود غور و فکر کر کے کوئی فیصلہ کر سکے گا۔ لیکن تم نے اب اپنا راستہ منتخب کر لیا ہے۔ اب تم ٹھیک آدمی ہو۔ میری دعا ہے کہ تم اپنے راستے پر منزل تک پہنچو۔ عرفان حاصل کرو"۔

گووندا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ سدھارتھ کیا کہہ رہا ہے؟ گھبراتے ہوئے اس نے اپنا سوال دہرایا۔ ”بولو سدھارتھ کہو کہ تم بھی بدھ کے بتائے ہوئے راستے پر چلو گے؟“۔

سدھارتھ نے گووندا کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ”میں نے تمھیں دعائیں دی ہیں۔ میں پھر دعا کرتا ہوں کہ تم اپنے راستے پر آخر تک چلتے رہو، عرفان حاصل کرو“۔

تو گووندا کو لگا کہ اس کا دوست اسے چھوڑ رہا ہے۔ وہ رونے لگا۔

”سدھارتھ“ وہ ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔

سدھارتھ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”گووندا یاد رکھو تم اب بودھ بھکشو ہوں۔ تم نے اپنے گھر بار اور والدین کو چھوڑ دیا ہے۔ تم نے اپنے دولت، اپنی خواہش، اپنی دوستی کو چھوڑ دیا ہے۔ یہی تو بدھ کی تعلیم ہے۔ یہی تو گوتم کی خواہش ہے۔ تم خود بھی یہی چاہتے تھے۔ کل میں تمھارا ساتھ چھوڑ دوں گا گووندا“۔

اس کے بعد دونوں دوست جنگل میں گھومتے رہے، پھر لیٹ گئے لیکن نیند نہیں آئی۔ گووندا رات بھر سدھارتھ سے پوچھتا رہا۔ کہ وہ بدھ کی باتیں کیوں نہیں ماننا چاہتا۔ اس میں کیا برائی ہے۔ اور ہر بار سدھارتھ اسے ٹالتا رہا۔ اس نے کہا ”چھوڑو گووندا۔ گوتم کا مذہب بہت اچھا ہے میں اس میں کوئی خامی کیسے بتا سکتا ہوں“۔

صبح صادق ہوتے ہی بدھ کا ایک معتقد، ایک عمر رسیدہ بھکشو سنگھ کے نئے بھکشوؤں کو لباس اور ابتدائی تعلیم دینے اور فرائض سے واقف کرانے باغ میں آیا۔ گووندا بے چین ہو گیا۔ اس نے اپنے دوست کو آخری بار گلے لگایا اور بھکشوؤں کا لباس زیب تن کر لیا۔

سدھارتھ باغ میں بھٹکتا رہا۔ خیالات میں ڈوبا ہوا۔

وہاں اسے گوتم نظر آ گئے۔ وہ احترام سے جھک گیا۔ بدھ کا چہرہ پر سکون تھا۔ جسے دیکھ کر سدھارتھ نے ان سے کچھ پوچھنے کی ہمت کر لی۔ بدھ نے گردن ہلا کر اجازت دے دی۔

سدھارتھ نے کہا ”یہ میری خوش نصیبی ہے کہ کل میں نے آپ کا وعظ سنا۔ میں اپنے دوست کے ساتھ بہت دور سے آپ کی باتیں سننے کے لیے آیا تھا۔ میرا دوست تو اب آپ کے ساتھ ہی رہے گا۔ وہ آپ کی شرن میں آ گیا ہے۔ لیکن میں اب اپنا سفر نئے سرے سے شروع کر رہا ہوں“۔

”تمھاری مرضی“۔ گوتم نے پر سکون لہجے میں کہا۔

سدھارتھ نے کہا۔ ”شاید میری بات آپ کو اچھی نہ لگے۔ لیکن گوتم پر اپنے خیالات

ظاہر کیے بغیر جانے کی طبیعت نہیں ہوئی۔ کیا گوتم میری باتیں سنیں گے؟"

بدھ نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

سدھارتھ نے کہا "گوتم! آپ کی تعلیمات میں ایک بات قابلِ تعریف ہے کہ یہ واضح صاف اور مثبت ہیں۔ آپ کائنات کو ایک مکمل اور غیر منتشر سلسلہ مانتے ہیں۔ ایک دائمی سلسلہ۔ جو عمل اور وجوہ سے منسلک ہے۔ اس سچائی کو اتنے واضح طور پر آج تک کسی نے پیش نہیں کیا۔ کسی نے اس کی اتنی کھلی توضیح نہیں کی۔ کوئی بھی جب آپ کی تعلیمات کی روشنی میں اس کائنات کو، اس بے گناہ اور خدا سے عاری کائنات کا تصور کرے گا تو مشوش ہوگا۔ دنیا ثواب ہے یا گناہ۔ زندگی مسرت ہے یا غم یا کیا ہے؟۔ لیکن اس کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ دنیا کی وحدانیت۔ تمام حادثات کا اشتراک۔ چھوٹا ہو یا بڑا، ہر بہاؤ کا رخ ایک ہے۔ ہونے اور نہ ہونے کی ایک ہی وجہ اور اصول ہے۔ یہ سارے خیالات آپ کے نصائح میں پوری طرح واضح ہیں۔ لیکن آپ کی تعلیمات کے مطابق یہ مادی سلسلہ ایک جگہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی خلیج ہے جس میں عجیب شکوک در آتے ہیں۔ کوئی نئی چیز جو پہلے موجود نہیں تھی۔ جو نا قابل اظہار ہے۔ جسے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ ہے کائنات کی بلندی کی طرف جانے کا آپ کا اصول۔ عرفان کا اصول۔ یہ چھوٹی سی خلیج۔ یہ مختصر وقفہ دائمی اور مشترک زندگی اور موت کے سلسلے کو منقطع کر دیتا ہے۔ اس اعتراض کے لیے معافی چاہتا ہوں"۔

گوتم نے سکون سے یہ باتیں سنیں۔ اب انھوں نے مہذب اور صاف آواز میں بولنا شروع کیا۔ "تم نے میری تعلیمات غور سے سنی ہیں پسر، اور ان پر گہرائی سے غور کیا ہے۔ تم نے اس میں ایک خامی تلاش کر لی ہے۔ اس پر پھر سے اچھی طرح غور کرو۔ تمھارے اندر حصول علم کی شدید خواہش ہے۔ اس لیے خیالات بے معنی ہیں، چاہے مؤثر ہوں یا بھونڈے۔ عقل مندی سے کہے گئے ہوں یا بیوقوفی سے۔ انھیں کوئی بھی اپنا سکتا ہے۔ کوئی بھی انکار کر سکتا ہے۔ میرے جو نصائح تم نے سنے ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ عرفان کی تلاش کرنے والوں کے لیے کائنات کی وضاحت کرنا بھی ان کا مقصد نہیں ہے۔ ان کا مقصد مختلف ہے۔ ان کا مقصد ہے، غموں سے نجات۔ یہی گوتم کی تعلیم ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں"۔

"مجھ پر ناراض نہ ہوں گوتم۔" سدھارتھ نے کہا۔ "میں نے آپ سے الفاظ پر بحث کرنے کی نیت سے یہ سب نہیں کہا۔ آپ کا کہنا درست ہے کہ خیال بے معنی ہے۔ لیکن میں ایک بات اور کہنا چاہوں گا۔ میں نے کبھی آپ کو شک کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اور میں نے اس پر بھی شک نہیں کیا کہ آپ بدھ ہیں۔ کہ آپ نے وہ بلند مقصد حاصل کر لیا ہے جس کے لیے ہزاروں

برہمن، اور برہمن زادے کوشش کرتے آرہے ہیں۔ آپ نے تلاش سے، غور وفکر سے استغراق سے یہ علم حاصل کیا ہے۔ نصیحتوں سے آپ نے بھی کچھ نہیں سیکھا ہے گوتم۔ اور میرے خیال سے نصیحت سے کوئی عرفان حاصل نہیں کر سکتا۔ ذات کے عرفان کے لمحات میں آپ نے کیا محسوس کیا۔ ان گہرے لمحات کا تجربہ آپ کو کیسا لگا اسے آپ الفاظ میں قید نہیں کر سکتے۔ عارف بدھ کی تعلیمات ہمیں متاثر کرتی ہیں۔ صادق کیسے رہیں۔ برائی سے، گناہ سے کیسے بچیں۔ ان میں کتنی افادیت ہے لیکن بس ایک کمی ہے۔ اس میں وہ راز، وہ لذت کہاں ہے جسے گوتم نے خود محسوس کیا ہے۔ کروڑوں لوگوں میں صرف گوتم نے۔ اور اسی لیے میں اپنی الگ راہ پر چل رہا ہوں۔ کسی دوسرے اور اس سے عظیم مقصد کے حصول کے لیے نہیں۔ بلکہ تمام اصولوں کو چھوڑ دینے کے لیے۔ تنہا اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے۔ یا پھر مر جانے کے لیے لیکن یہ دن مجھے ہمیشہ یاد رہے گا گوتم۔ ایک پاکیزہ شخص کی زیارت کا یہ لمحہ میری یادداشت میں ہمیشہ روشن رہے گا۔"

بدھ کی نظریں جھک گئیں۔ ان کے چہرے پر سکون تھا۔ انھوں نے آہستہ سے کہا۔
"تمھاری دلیل معقول ہے۔ تم اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرو۔ لیکن کیا تم نے میرے ساتھ چلنے والے مقدس لوگوں کو، ان تعلیمات پر یقین رکھنے والے میرے بھائیوں کو دیکھا ہے۔ تمھاری نظر میں کیا یہ مناسب ہے کہ وہ اس راستے کو چھوڑ کر پھر اپنی دنیا میں لوٹ جائیں اور پھر اپنی خواہشات کے غلام ہو جائیں؟"

"ایسا خیال میرے ذہن میں کبھی نہیں اٹھا"۔ سدھارتھ تڑپ کر بولا "میری خواہش ہے کہ وہ سب آپ کے بتائے راستے پر چلیں، اپنے مقصد تک پہنچیں، دوسروں کی زندگی کے بارے میں فیصلے کرنا میرا کام نہیں ہے۔ مجھے صرف اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے۔ انتخاب اور ترک کرنا ہے۔ ہم شرونوں کا مقصد 'انا' سے نجات حاصل کرنا ہے۔ بدھ اگر میں آپ کے معتقدین میں ہوتا۔ تو میرا خیال ہے کہ میں سطح آب میں ہی تیرتا رہتا۔ تب میں اپنے آپ کو دھوکا دیتا کہ مجھے سکون حاصل ہو گیا ہے، نجات مل گئی ہے۔ حقیقتاً میری انا زندہ رہتی اور بڑھتی رہتی کیوں کہ وہ انا آپ کی تعلیمات میں بدل جاتی۔ آپ کے لیے میری محبت، میرا یقین تبدیل ہو جاتا"۔

چہرے پر چمک کے ساتھ دوستانہ انداز میں بدھ نے اس کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔
"بڑے ہوشیار ہو شردن۔ ہوشیاری سے بات کرنا تمھیں آتا ہے دوست۔ زیادہ ہوشیاری سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو"۔

بدھ چلے گئے۔ ان کی نگاہ، ان کا تبسم سدھارتھ کی یادداشت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ

ہو گیا۔ اس نے سوچا میں نے کسی کو اس طرح دیکھتے اور مسکراتے، اس طرح بیٹھتے اور چلتے نہیں دیکھا۔ میں بھی اسی طرح دیکھنا مسکرانا، اسی طرح بیٹھنا اور چلتے رہنا چاہتا ہوں۔ اتنا ہی آزاد، اتنا ہی عظیم، اتنا ہی سادہ، اتنا ہی معصوم اور پر اسرار۔ آدمی انا کو فتح کر کے ہی اس طرح مسکرا اور چل سکتا ہے۔ میں بھی انا پر فتح حاصل کروں گا۔

ایک شخص ملا صرف ایک شخص جس کے سامنے آنکھیں خود بخود جھک گئیں۔ سدھارتھ نے سوچا! اب کسی کے بھی آگے آنکھیں نہیں جھکاؤں گا۔ جب اس آدمی کی نصیحتیں ایسا نہ کر سکیں۔ اب کسی کی نصیحتیں مجھے متاثر نہیں کر سکیں گی۔

سدھارتھ نے سوچا۔ بدھ نے مجھے ٹھگ لیا۔ انھوں نے مجھے لوٹ لیا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ قیمتی کچھ مجھے دے گئے۔ انھوں نے میرے دوست کو مجھ سے چھین لیا۔ جو مجھ پر یقین رکھتا تھا۔ اور اب ان پر یقین رکھتا ہے۔ وہ میرے سائے کی طرح تھا۔ اور اب ان کا سایہ ہے۔ لیکن انھوں نے مجھے سدھارتھ واپس کر دیا ہے۔



بیداری

اس باغ میں جہاں مہاتما بدھ رہتے تھے اور اب جہاں گووندا بھی رہتا تھا چھوڑتے ہوئے سدھارتھ کو لگا کہ اس نے اپنا ماضی بھی چھوڑ دیا ہے۔ راستے پر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے یہ بات اس کے دماغ میں گردش کر رہی تھی۔ وہ اتنی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا کہ یہ بات اس پر حاوی ہوتی چلی گئی اور ایک ایسی حالت آئی جہاں اس نے پایا کہ اسے وجوہ کا علم ہو گیا ہے۔ اسے لگا وجوہ کا علم ہی فکر ہے اور فکر کے توسط سے ہی محسوسات علم کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ختم ہونے کے بجائے زیادہ حقیقی اور مکمل ہونے لگے ہیں۔

سدھارتھ چلتا رہا اور سوچتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ اب نابالغ نہیں رہا بالغ ہو گیا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی چیز، سانپ کی پرانی کھال کی طرح اس نے چھوڑ دی ہے۔ کچھ ہے جو اب اس کے ساتھ نہیں ہے، ایسا کچھ جو بلوغ سے قبل تک اس کے ساتھ تھا۔ اس کے وجود کا حصہ تھا۔ اور وہ تھی گرووں کی صحبت میں رہنے، اور ان کا بیان سننے کی خواہش۔ اپنے آخری گرو کو بھی، عظیم اور عالم گرو بدھ کو بھی اس نے چھوڑ دیا تھا۔ ہاں اسے بدھ کو بھی چھوڑ دینا پڑا۔ ان کی تعلیمات وہ قبول نہیں کر سکا۔

سوچتا ہوا وہ تھکے قدموں سے اپنے راستے پر بڑھتا رہا۔ اس نے خود سے پوچھا۔ وہ کیا تھا جسے تم گرووں اور ان کی تعلیمات سے سیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے تمھیں بہت کچھ سکھایا۔ پھر بھی وہ کیا ہے جو وہ نہ سکھا سکے؟ وہ ہے اَنا کا گیان۔ اس نے سوچا میں انا کی صورت، اس کی خصوصیات جاننا چاہتا تھا، میں اس سے آزاد ہونا چاہتا تھا، اسے فتح کرنا چاہتا تھا، لیکن فتح نہ کر سکا۔ میں اسے صرف دھوکا دینے، اس سے دور بھاگنے، اس سے پوشیدہ رہنے میں ہی کامیاب ہو سکا۔ حقیقتاً میرے خیالات پر دنیا کی کسی چیز کا اتنا اثر نہیں ہوا جتنا کہ اس کا۔ اس پہیلی کا کہ میں زندہ ہوں، کہ میں فلاں ہوں، کہ میں کسی دوسرے ذی روح سے مختلف ہوں، کہ میں سدھارتھ ہوں، پھر بھی میں اسے نہیں جانتا پھر بھی میں دنیا کی کسی بھی چیز کے بارے میں اتنا کم نہیں جانتا جتنا کہ اس کے بارے میں، سدھارتھ کے بارے میں۔

اس خیال نے سدھارتھ کے پیر جکڑ لیے۔ چلتے چلتے وہ یکایک رک گیا۔ پھر اس میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں اپنے بارے میں کچھ کیوں نہیں جانتا؟ سدھارتھ مجھ سے کیوں ناواقف ہے؟ اس کی صرف ایک وجہ ہے۔ کہ میں خود سے خوفزدہ ہوں، خود سے بھاگ رہا ہوں، میں آتما کی تلاش میں تھا، میں انا کو تباہ کر دینا چاہتا تھا، خود سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ اس اندروں کی تلاش میں، جو ساری کائنات کا مرکز ہے۔ جو آتما اور نور ہے۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے میں نے خود کو چھوڑ دیا۔

سدھارتھ نے چاروں طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ اس کا وجود کسی طویل خواب سے بیدار ہونے کے احساس سے منور ہو گیا۔ پھر وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگا۔ ایک ایسے آدمی کی طرح جو جانتا ہو کہ اسے کیا کرنا ہے۔

ٹھیک ہے۔ سوچتے ہوئے اس نے گہری سانس لی۔ اب میں سدھارتھ سے دور بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب میں آتما اور دنیاوی مصائب کے بارے میں نہیں سوچوں گا۔ ماضی کے کھنڈروں میں پوشیدہ راز کی تلاش میں اپنے کو مجروح اور ختم نہیں کروں گا۔ اب یجروید، اتھروویدیا تپیایا دوسروں کی تعلیمات کے پیچھے نہیں بھاگوں گا۔ اب میں خود سے سیکھوں گا خود اپنا معلم بنوں گا۔ سدھارتھ کے راز کو اب بس سدھارتھ ہی تلاش کرے گا۔

اس نے اپنے آس پاس نگاہ ڈالی۔ جیسے کہ وہ دنیا کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ یہ خوبصورت، پراسرار کائنات جس میں نیلے پیلے اور ہرے کتنے رنگ تھے، آسمان اور ندیاں تھیں، جنگل اور پہاڑ تھے۔ سب کچھ خوبصورت پراسرار ہوشربا، اس کے سامنے تھا۔ وہ، بیدار، دانشمند، سدھارتھ خود کی تلاش میں محو۔ یہ نیلا اور پیلا، یہ ندیاں اور جنگل، سدھارتھ کی آنکھوں میں پہلی بار آئے۔ اب سحر مٹ گیا تھا۔ مایا کا جال کٹ چکا تھا۔ ندی تو ندی ہے۔ اور اگر سدھارتھ میں مقیم وہ آتما، وہ تنویر، آسمان اور ندی میں بھی ہے۔ تو یہ اسی کی کوشش اور خواہش کے سبب ہی تو ہے۔ کہ پیلا اور نیلا ہو، آسمان اور جنگل ہو اور سدھارتھ ہو، معانی اور حقائق مخصوص چیزوں میں پوشیدہ نہیں ہیں وہ ان میں، ان سب میں موجود ہیں۔

میں کتنا بیوقوف بنا رہا۔ اس نے سوچا۔ اور تیز تیز چلتا رہا۔ کوئی آدمی جب اپنی دلچسپی کی کوئی چیز پڑھتا ہے تو وہ الفاظ اور تشبیہات سے بے نیازی نہیں برت سکتا۔ انھیں مشکوک اور بے معنی نہیں سمجھتا۔ وہ انھیں پڑھتا ہے، لفظ بہ لفظ پڑھتا ہے اور پیار کرتا ہے۔ لیکن میں جو دنیا کی اس کتاب کو پڑھنے کا خواہش مند تھا۔ الفاظ اور تشبیہات کو نظر انداز کر بیٹھا۔ میں نے دنیا کے وجود کو فریب سمجھ لیا۔ اپنی آنکھوں اور زبان کو، نگاہ اور لذت کو اتفاق مان لیا۔ اب سب کچھ پوشیدہ ہو گیا ہے۔ میں بیدار ہو گیا ہوں۔ سچ مچ آج میں جاگ گیا ہوں۔ آج ہی میرا نیا جنم ہوا ہے۔

ذہن میں جیسے ہی یہ خیالات آئے سدھارتھ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے اس نے کوئی سانپ دیکھ لیا ہو۔

پھر یکایک یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ سدھارتھ اب ایک معصوم بچے کی طرح ہے۔ اسے اپنی زندگی بالکل نئی طرح شروع کرنی ہو گی۔ اس دن صبح پہلی بیداری کے ان لمحات میں جب وہ گوتم کا جیتون چھوڑ کر خود کی تلاش میں نکل پڑا تھا۔ اس کا جی چاہا تھا کہ لوٹ جائے۔ اپنے گھر، اپنے باپ کے پاس۔ برسوں کی تپسیا کے بعد یہ خواہش بے معنی نہیں تھی۔ لیکن اب جب کہ وہ سانپ سونگھا ہوا سا، راستے میں کھڑا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں پہلے جو کچھ تھا اب نہیں رہ گیا ہوں۔ اب میں سنیاسی نہیں ہوں، پجاری اور برہمن بھی نہیں ہوں۔ تو گھر میں باپ کے پاس جا کر کیا کروں گا۔ مطالعہ، استغراق، عبادت؟۔ لیکن میرے لیے تو یہ سب ختم ہو چکا ہے۔

منجمد سدھارتھ کے جسم میں ایک تھر تھراہٹ، ایک تیز برفیلی کپکپاہٹ دوڑ گئی اس نے سوچا وہ کتنا تنہا ہے۔ ایک حقیر جانور کی طرح، چڑیوں اور خرگوش کی طرح۔ وہ برسوں بے گھر رہا ہے لیکن کبھی ایسا محسوس نہیں کیا جیسا آج کر رہا ہے۔ پہلے گہرے استغراق کے لمحات میں بھی وہ اپنے باپ کا بیٹا تھا، خاندانی برہمن تھا، مذہبی شخص تھا، اب وہ صرف سدھارتھ ہے۔ دانش مند، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ اور ایک دم کانپ اٹھا۔ وہ تنہا تھا۔ اور دنیا میں اس سے زیادہ تنہا کوئی نہیں تھا۔ وہ کوئی دولت مند شخص نہیں کہ اپنی دولت میں چھپ سکے، کوئی فن کار نہیں تھا جو فن میں پناہ لے سکے۔ ان کی زندگی اور ان کی زبان اپنا لے۔ برہمن بھی نہیں ہے۔ شرنوں کی پناہ میں جانے والا سنیاسی بھی نہیں ہے۔ ویران جنگل میں رہنے والا بھی اکیلا نہیں ہوتا۔ وہ بھی کسی گروہ کا ایک فرد ہوتا ہے۔ گووندا بھکشو ہو گیا۔ اور اب ہزاروں بھکشو اس کے بھائی ہیں۔ جو اسی کی طرح کپڑے پہنتے ہیں، اسی کی طرح بولتے ہیں۔ اسی کی طرح اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن سدھارتھ۔ وہ کس کا ہے؟ وہ کس زندگی کا حصہ ہے؟ کس کی زبان بولتا ہے؟۔

اس ایک لمحے میں جب آس پاس کی دنیا نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور وہ خلا میں ایک ستارے کی طرح تنہا کھڑا تھا۔ اس کے اندر ناامیدی کی ایک ہوک سی اٹھی۔ لیکن وہ پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم تھا۔ وہ اس کی بیداری کی آخری لرزش تھی۔ آخری دردِ زہ تھا۔ اس کے بعد وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔ تیز اور بے چین قدموں سے چلنے لگا۔ نہ گھر کی طرف، نہ باپ کے پاس، نہ پیچھے کی طرف۔



حصۂ دوم

کملا

اپنے سفر میں سدھارتھ کو ہر قدم پر کوئی نئی بات ملی، نیا علم ملا۔ کیوں کہ وہ دنیا کی مکمل خوبصورت تصویر پہلی بار دیکھ رہا تھا، اسے نئی آنکھیں ملی تھیں اور وہ اس دنیا کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ اس نے سورج کو جنگلوں اور پہاڑوں سے اٹھتے اور خوبصورت ندی پر تاڑ کے درخت کے پیچھے چھپتے دیکھا۔ رات میں اس نے بکھرے موتیوں کی طرح ٹمٹماتے ستاروں اور نیلے آسمان کے سمندر میں طلائی کشتی کی طرح تیرتے چاند کو دیکھا۔ اس نے درخت، ستارے، جانور، بادل، دھنک، چٹانیں، سرکنڈے، پھول، ندی، نالے، جھاڑیوں میں چمکتی شبنم، اور دور دور چپ چاپ کھڑے اونچے نیلے اداس پہاڑ دیکھے۔ اس نے گاتے پرندوں، گنگناتے بھنوروں اور دھان کے کھیتوں میں سرسراتی ہوا کو دیکھا۔ یہ رنگ برنگی دنیا پہلے بھی تو تھی۔ سورج اور چاند پہلے بھی تو چمکتے تھے۔ ندیاں پہلے بھی تو بہتی تھیں۔ بھنورے پہلے بھی گنگناتے تھے، لیکن اس وقت سدھارتھ کے لیے ان کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔ اس وقت یہ سب ایک لمحاتی طلسم تھا۔ غیر یقینی تھا، اور اس پر غور کرنا گناہ تھا۔ کیوں کہ وہ حق نہیں تھا۔ کیوں کہ حق دنیا کی دوسری طرف تھا۔ لیکن اب اس کی آنکھیں اسی طرف لگ گئی تھیں۔ وہ اس قابل دید عالم کو دیکھ اور پہچان رہا تھا۔ اس میں داخل ہونے کی ترکیبیں ڈھونڈھ رہا تھا۔ اسے حق کی تلاش نہیں تھی۔ اس کا مقصد 'دوسری طرف' نہیں تھا۔ اس طرح دیکھنے پر یہ دنیا کتنی خوبصورت نظر آتی تھی۔ سادہ معصوم اور صاف۔ چاند اور ستارے خوبصورت تھے۔ چشمے، ساحل، جنگل اور چٹانیں، بکری، اور پان کی سنہری بیلیں، پھول اور تتلی سب کچھ حسین تھا۔ اس طرح، ایک بچے کی طرح، اتنا ہوشیار ہو کر، ہر چیز میں گمراہی سے بے نیاز اور بنا کسی ڈر کے دنیا میں داخل ہونا، کتنا خوبصورت اور مسرت بخش تھا۔ کہیں پر تیز دھوپ تھی، کہیں گھنے سائے اور کہیں کدو کی بیلیں اور کیلے کے درخت تھے۔ دن اور رات جیسے چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔ اور ہر پہر جیسے سمندر پر تیرتے ہوئے جہاز کے نیچے سے کھسکتا جاتا تھا۔ جو مسرتوں کا جہاز تھا، جس میں دائمی مسرت کا خزانہ

بھرا تھا۔ سدھارتھ نے ایک گھنے جنگل میں بندروں کے گروہ کو پیڑوں پر اچھلتے دیکھا، ان کی قلقاریاں سنیں۔ اس نے ایک نر بھیڑ کو ایک مادہ بھیڑ کا پیچھا کرتے اور پھر ملتے دیکھا۔ ایک شام چراغوں سے بھری ایک جھیل میں اس نے ایک موٹی مچھلی کو شکار کی ٹوہ میں نکلتے دیکھا۔ اس نے چھوٹی مچھلیوں کے چمکیلے جھنڈ بھی دیکھے جو جان بچاکر بھاگ رہے تھے۔ شکاری مچھلی کی رفتار اور جوش سے پانی میں بھنور بن رہے تھے، جن میں سدھارتھ کو قوت اور خواہش کا اظہار نظر آرہا تھا۔

یہ سب باتیں پہلے بھی تھیں لیکن اس نے دیکھی ہی نہ تھیں۔ وہ ان جگہوں پر موجود ہی نہیں تھا۔ اب وہ وہاں تھا۔ اور اپنی آنکھوں سے روشنی کو اور سائے کو دیکھ سکتا تھا۔ اب وہ چاند اور تاروں کو اپنے اندر محسوس کر سکتا تھا۔ جیت ون میں سدھارتھ نے جو کچھ سیکھا تھا۔ وہ سب راستے بھر یاد آتا رہا۔ وہ تعلیمات جو مقدس بدھ سے سنی تھیں۔ اور وہ لمحہ جب اس نے گووندا کو الوداع کہا تھا۔ گوتم سے اپنی بات چیت کا ایک ایک لفظ اسے یاد آیا۔ اور اسے تعجب ہوا کہ اس نے گوتم سے ایسی ایسی باتیں کہیں جن کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے بدھ سے کہا تھا کہ علم اور اسرار کو سکھایا نہیں جا سکتا۔ اس کی وضاحت نہیں کی جا سکتی۔ جو اس نے بدھ سے کہا تھا اور جس کا احساس اسے ایک بار بیداری کے ایک لمحے میں ہوا تھا۔ اسی احساس کو پانے کے لیے تو وہ نکلا تھا۔ اسی کو تو جاننا شروع کر رہا تھا۔ یہ احساس اسے خود حاصل کرنا ہے۔ وہ بہت پہلے سے جانتا تھا کہ اس کی ذات ہی آتما ہے، جو برہم کی طرح زندہ ہے۔ لیکن وہ اس ذات کو کبھی پا نہیں سکا کیوں کہ اس نے اسے خیالات کے جال میں الجھا دینا چاہا۔ یقیناً جسم ذات نہیں ہے۔ نہ وہ کاروبار احساس ہے نہ خیال ہے، نہ عقل، نہ حاصل شدہ علم، اور نہ فن، جس کے ذریعہ کسی فیصلے پر پہنچا جا سکے اور پہلے سے حاصل خیالات پر نئے خیال بنے جا سکیں۔ نہیں یہ خیالات کی دنیا بھی 'اسی طرف' کی ہے اور اس ذات کو، اس جان کو تباہ کر دینے اور اس میں خیالات اور علمیت بھرتے رہنے پر کوئی بھی مقصد تک نہیں پہنچ سکتا۔ خیال اور احساس دونوں عظیم ہیں، دونوں میں عظمت ہے، دونوں کو حاصل کرنا، انھیں استعمال میں لانا، دونوں کو یکساں اہمیت دینا، دونوں کی آواز ہمہ تن گوش ہو کر سننا ہی اچھا ہے۔ سدھارتھ نے طے کیا کہ وہ وہی کرے گا جو اس کا ضمیر کہے گا۔ وہیں رکے گا جہاں وہ رکنے کو کہے گا۔ حصول عرفان کے ان عظیم لمحات میں بدھ برگد کے درخت کے نیچے کیوں بیٹھے تھے؟ انھوں نے ایک آواز سنی تھی، اپنے دل کی آواز، جس نے انھیں برگد کے درخت کے نیچے بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے جسمانی تپ، یگیہ، پوجا، کھانا پینا نیند یا خواب کا سہارا نہیں لیا، صرف آواز سنی۔ یہ کسی خارجی احکام کو سننا نہیں تھا۔ یہ اندر کی آواز تھی اس آواز کو سننا اور اس پر عمل کے لیے

تیار رہنا ہی بہتر ہے، ضروری ہے۔اس کے سوا کچھ بھی ضروری نہیں۔

رات میں سدھارتھ ایک ملاح کے جھونپڑے میں سو گیا۔ جہاں اس نے خواب دیکھا کہ گووندا زرد لباس پہنے اس کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کا چہرہ اداس تھا اور وہ پوچھ رہا تھا، تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ پھر سدھارتھ نے اسے گلے لگایا، اپنی بانہیں اس کی کمر میں ڈال دیں اور جیسے ہی اس نے اسے اپنے سینے سے لگا کر چومنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ وہ گووندا نہیں تھا۔ اس کی جگہ ایک عورت تھی اور عورت کے کپڑوں میں سے دو سڈول پستان ابھرے تھے۔ سدھارتھ لیٹ گیا اور اس کے پستان چوسنے لگا۔ وہ اس کے سینے کا میٹھا اور گاڑھا دودھ پیتا رہا۔ اس دودھ میں عورت اور مرد کا، سورج اور جنگل کا، ہر ایک پھل اور ہر مسرت کا ذائقہ تھا۔ اس میں نشہ تھا۔ جب وہ جاگا تو دروازے کے سامنے اداس ندی جھلملا رہی تھی اور کہیں دور جنگل سے الو کی خوفناک اور تیز آواز سنائی دے رہی تھی۔

دن شروع ہونے پر سدھارتھ نے ملاح سے ندی کے اس پار پہنچانے کی درخواست کی۔ ملاح نے اسے بانس کے بیڑے پر بٹھا کر پار اتار دیا۔ صبح کی روشنی میں ندی کا پانی گلابی ہو گیا تھا۔

"ندی کتنی خوبصورت ہے"۔ سدھارتھ نے کہا۔

"ہاں"۔ ملاح نے کہا۔ "ندی بہت ہی خوبصورت ہے۔ مجھے اس سے کتنا پیار ہے بتا نہیں سکتا۔ میں نے اکثر اس کا شور، اس کی موسیقی سنی ہے۔ اسے دیکھتا رہا ہوں اور ہمیشہ اس سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔ آدمی ندی سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے"۔

"شکریہ" دوسرے کنارے پر اترتے ہوئے سدھارتھ نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس آپ کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں ایک بے گھر برہمن ہوں، شرون ہوں"۔

"مجھے معلوم ہے"۔ ملاح نے کہا۔ "میں ابھی آپ سے انعام یا نذرانہ کی امید بھی نہیں رکھتا۔ پھر کبھی۔۔۔۔" اور وہ مسکرا دیا۔

"آپ کو یقین ہے" سدھارتھ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بالکل! یہ بھی میں نے ندی سے سیکھا ہے کہ ہر چیز واپس لوٹتی ہے۔ تم بھی کبھی لوٹو گے شرون۔ اچھا الوداع تمہارے دوستانہ خیالات بنے رہیں۔ یہی میرا انعام ہے۔ دیوتاؤں کی عبادت کرتے وقت میری یاد تمہارے دل میں موجود رہے یہی میری خواہش ہے"۔

مسکراتے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ ملاح کے برتاؤ سے سدھارتھ بہت خوش تھا۔ یہ بھی گووندا کی ہی طرح ہے، سوچ کر وہ مسکرایا۔ راستے میں جو بھی ملتا ہے، گووندا کی طرح لگتا ہے۔ سبھی کی آنکھوں میں احسان مندی نظر آتی ہے۔ حالانکہ شکریے کے

مستحق وہ خود ہیں۔ کبھی میرے محکوم ہیں کبھی مجھ سے دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور بنا بحث کے میری بات ماننا چاہتے ہیں۔لوگ بچوں کی طرح ہیں۔

دوپہر کو وہ ایک گاؤں میں پہنچا۔ مٹی کی جھونپڑیوں کے سامنے ایک گلی میں کچھ بچے اچھل کود رہے تھے۔وہ کوڑیاں کھیل رہے تھے۔چلا رہے تھے۔آپس میں جھگڑے کر رہے تھے۔ایک اجنبی شرون کو دیکھ کر وہ بھاگ گئے۔گاؤں کے آخر میں راستے کے پاس ایک جھرنا تھا جس کے کنارے ایک دوشیزہ جھکی ہوئی کپڑے دھو رہی تھی۔ سدھارتھ نے اسے آداب کیا۔دوشیزہ نے سر اوپر اٹھایا اور مسکرائی۔سدھارتھ کو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آئی۔رسم کے مطابق سدھارتھ نے اسے دعائیں دیں، اور پوچھا کہ شہر ابھی کتنی دور ہے۔دوشیزہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے قریب آئی۔ سدھارتھ نے اس کے سلونے چہرے پر دمکتے بھیگے ہونٹوں کو غور سے دیکھا۔ دوشیزہ نے سدھارتھ سے معمولی بات چیت کی۔پوچھا کہ اس نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔اور یہ کہ کیا یہ سچ ہے کہ شرون لوگ رات کو جنگل میں اکیلے سوتے ہیں اور ان کے ساتھ عورتیں نہیں رہ سکتیں۔پھر اچانک اس نے اپنا بایاں پاؤں سدھارتھ کے دائیں پاؤں پر رکھ دیا۔اور اس شکل میں آگئی جو محبت کے ذائقے کے حصول کے لیے، مرد کو متوجہ کرنے کے لیے،ایک عورت ہی بنا سکتی ہے۔ اور جسے مقدس صحیفوں میں 'درخت پر چڑھنا' کہا گیا ہے۔ سدھارتھ کو محسوس ہوا کہ اس کے خون میں شعلے مچل رہے ہیں۔ایک لمحہ اسے اپنا پچھلا خواب یاد آیا۔وہ دھیرے سے دوشیزہ پر جھکا اور اس کے سینے کا بوسہ لیا۔پھر اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔دوشیزہ کا مسرور چہرہ خواہشات سے لبریز تھا۔اس کی نیم وا آنکھوں میں ہوس کے ڈورے تیر رہے تھے۔

سدھارتھ نے بھی اپنے اندر ایک خواہش، ہوس کی ایک ترنگ محسوس کی۔اس نے نسوانی جسم کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔وہ ایک لمحے کے لیے جھجکا۔اگرچہ اس کے ہاتھ ہم آغوشی کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ عین اسی وقت اس کے اندر سے ایک آواز آئی، نہیں۔اور ایک جھٹکے میں مسکراتے، خوبصورت چہرے کا سارا سحر بکھر گیا۔اب اسے ایک ہوس زدہ لڑکی کی آنکھوں میں جنسی خواہش کے علاوہ کچھ نہ دکھائی دیا۔ دھیرے سے دوشیزہ کے گال تھپتھپا کر وہ بانس کے ایک جھرمٹ کے پیچھے اوجھل ہو گیا۔

شام ہونے سے قبل وہ شہر کے قریب پہنچ گیا۔وہ لوگوں کے درمیان آگیا ہے، یہ سوچ کر اسے عجیب مسرت ہو رہی تھی۔ عرصہ دراز تک جنگلوں میں رہنے کے بعد پچھلی رات وہ پہلی بار کسی گھر میں سویا تھا۔ملاح کی جھونپڑی میں۔

شہر کے باہر ایک کھلا باغیچہ تھا۔ وہاں اسے خادموں اور خادماؤں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ جن کے ہاتھوں میں ٹوکریاں تھیں۔ بیچ میں چار لوگ کندھے پر ایک سجی سنوری رنگین چندولے سے ڈھکی پالکی لے کر چل رہے تھے۔ پالکی میں سرخ گدوں پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ باغیچے کے دروازے پر کھڑا سحر زدہ سدھارتھ اس سفر کو، خادموں اور نوکرانیوں کو گذرتے دیکھتا رہا۔ اس نے پالکی کو اور اس پر بیٹھی عورت کو دیکھا۔ گھنے کالے بالوں میں سے جھانکتا ایک کھلا ہوا شیریں اور شوخ چہرہ اس نے دیکھا۔ تازہ کٹے ہوئے انجیر کی طرح اس کے سرخ ہونٹ دیکھے۔ اس کے ابرو، گھری کالی اور چنچل آنکھیں، ہرے سنہرے لباس سے نکلی ہوئی گوری پتلی گردن دیکھی۔ اس کی بانہیں سڈول اور چکنی تھیں اور کلائیوں پر سونے کے کڑے چمک رہے تھے۔

سدھارتھ نے سوچا۔ یہ کتنی حسین ہے۔ اسے بہت اچھا لگا۔ پالکی اس کے بالکل پاس سے ہو کر گذری تو اس نے سر جھکایا۔ پھر اس دمکتے چہرے کو، کمان جیسے ابروؤں کو ایک لمحہ دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ ایک عجیب سا نشہ اور خوشبو اس کے اندر بس گئی ہے۔ ایسی خوشبو جسے اس نے آج تک کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ عورت نے بھی دھیرے سے نظریں جھکائیں اور خادموں کے ساتھ باغیچے میں چلی گئی۔

اس شہر میں میری آمد کسی مبارک ساعت میں ہی ہوئی ہے۔ سدھارتھ نے سوچا۔ دل میں فوراً باغیچے میں جانے کی خواہش ہوئی۔ لیکن اس نے ٹال دیا۔ یہ سوچ کر کہ راستے میں خادم اور خادمائیں اسے کتنی نفرت، شک اور اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

میں ابھی تک شرون ہوں۔ ابھی تک سنیاسی اور یوگی ہوں۔ اس نے سوچا، اب نہیں رہ سکتا۔ میں اس طرح باغ میں کبھی جا ہی نہیں سکوں گا۔ یہ سوچتے ہوئے اسے ہنسی آگئی۔

باغ کے پاس اسے جو پہلا شخص ملا، سدھارتھ نے اس سے اس عورت کے بارے میں پوچھا۔ پتہ چلا کہ وہ شہر کی مشہور طوائف کملا ہے اور یہ باغیچہ بھی اسی کا ہے۔ یہی نہیں شہر میں اس کا ایک محل بھی ہے۔

سدھارتھ شہر کے درمیانی حصے میں پہنچا۔ اب اس کے سامنے صرف ایک مقصد تھا اور اس کے حصول کے لیے اس نے سارا شہر چھان مارا۔ گلیوں اور سڑکوں کی بھول بھلیوں میں وہ بھٹکتا رہا۔ جگہ جگہ رک کر اور ندی کے گھاٹوں پر لیٹ کر وہ تھکن اتارتا رہا۔

شام تک اس نے ایک حجام سے دوستی کر لی۔ جو ایک گنبد کے نیچے حجامت بنا رہا تھا۔ وہ اسے دوبارہ وشنو مندر میں پوجا کے وقت ملا۔ جہاں وہ نائی کو وشنو اور لکشمی کی کتھائیں سناتا رہا۔ رات

کو وہ ندی کے کنارے پڑی ناؤں کے بیچ سویا اور علی الصبح جب حجام کی دکان پر کوئی گاہک نہیں تھا، اس نے جا کر داڑھی صاف کروائی۔ اس نے بال بھی چھوٹے کروائے۔ ان پر خوشبودار تیل ملا۔ اس کے بعد ندی میں نہانے چلا گیا۔

دو پہر بعد جب کملا پالکی میں بیٹھ کر نوکروں کے ساتھ باغیچے میں داخل ہو رہی تھی، سدھارتھ دروازے پر کھڑا تھا۔ اس دن کملا نے جھک کر اس کا آداب قبول کیا۔ پھر سدھارتھ نے جلوس کے آخری شخص کو اشارے سے بلا کر کہا۔ اپنی مالکن سے کہنا کہ ایک نوجوان برہمن اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ کچھ ہی دیر میں خادم واپس آیا اور سدھارتھ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ وہ سدھارتھ کو چپ چاپ ایک شامیانے تک لے گیا جہاں ایک مسند پر کملا لیٹی ہوئی تھی۔

"کل داخلی دروازے پر آپ ہی نے مجھے آداب کیا تھا نا"؟ کملا نے پوچھا۔

"ہاں! وہ میں ہی تھا"۔

"لیکن کل تو آپ کے چہرے پر داڑھی اور سر میں لمبے بال تھے؟ ان میں دھول بھری تھی"۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ نے ٹھیک دیکھا تھا۔ آپ نے برہمن زادہ سدھارتھ کو دیکھا تھا۔ جس نے شرون بننے کے لیے گھر بار چھوڑا اور تین سال تک شرون رہا۔ اور اب میں وہ لباس بھی اتار چکا ہوں۔ اس شہر میں آیا ہوں اور یہاں پہنچنے پر جو پہلا انسان مجھے نظر آیا، وہ آپ تھیں اور میں آپ سے یہاں یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ پہلی خاتون ہیں جس سے میں نے بغیر نظریں جھکائے باتیں کیں۔ اب کسی خوبصورت عورت کو دیکھ کر میری نگاہ نہیں جھکے گی"۔

کملا مسکرائی اور مور پنکھ ہلاتی رہی۔ پھر کہا۔ "کیا سدھارتھ یہی کہنے میرے پاس آئے ہیں؟"

"ہاں یہی کہنے آیا ہوں۔ اور آپ کو مبارک باد دینے آیا ہوں کہ آپ اس قدر خوبصورت ہیں۔ اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں آپ کو اپنا دوست اور اپنا معلم بنانا چاہوں گا۔ کیوں کہ آپ جس فن کی مالک ہیں اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا"۔

کملا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ایسا تو کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی شرون جنگل سے آکر مجھ سے تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرے۔ میرے یہاں کئی نوجوان آتے ہیں۔ جن میں برہمن زادے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ان سبھی کے جسم پر خوبصورت لباس اور پیروں میں خوبصورت جوتے ہوتے ہیں۔ ان کے بالوں میں خوشبو ہوتی ہے اور بٹوے میں دولت۔ میرے یہاں جو بھی آتا ہے۔ اسی طرح آتا ہے شرون"۔

سدھارتھ نے کہا۔ "میں نے تو آپ سے سیکھنا شروع بھی کر دیا ہے۔ کچھ کل بھی سیکھا

تھا۔ میں نے داڑھی صاف کردی۔ بال سنوار لیے۔ میرے پاس خوبصورت کپڑے، خوبصورت جوتے اور دولت ابھی نہیں ہے پھر بھی مجھ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ سدھارتھ نے ان حقیر چیزوں کی بہ نسبت زیادہ مشکل چیزوں کے لیے کوشش کی ہے اور انھیں حاصل کیا ہے۔ پھر کل میں نے جو کچھ حاصل کرنے کا ارادہ کیا اسے کیسے نہیں پاؤں گا۔ آپ کا دوست بن کر، آپ سے محبت کی مسرت کیوں نہیں حاصل کرسکوں گا۔ مجھ میں آپ کا شاگرد بننے کی صلاحیت ہے۔ آپ مجھے جو کچھ سکھائیں گی اس سے بھی مشکل باتیں میں نے سیکھی ہیں۔ تب بھی سدھارتھ آپ کو پسند نہیں ہے کیوں کہ اس کے بالوں میں تیل تو ہے۔ لیکن کپڑے، جوتے اور دولت نہیں ہے"۔

کملا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نہیں اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ سدھارتھ کے پاس کپڑے ہونا چاہیے۔ خوبصورت کپڑے۔ جوتے بھی خوبصورت اور ساتھ ہی دولت اور کملا کے لیے تحائف بھی۔ سمجھے شرون"

یکایک سدھارتھ نے محسوس کیا کہ وہ کملا کو بہت دنوں سے جانتا ہے۔ اس نے اسے تم کہنا شروع کردیا۔

"سمجھ گیا"۔ سدھارتھ نے تپاک سے کہا۔ "تمھارے منہ سے نکلے الفاظ کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ تمھارے ہونٹ ایسے لگتے ہیں کملا، جیسے تازہ کٹے ہوئے سرخ انجیر۔ میرے ہونٹ بھی ایسے ہی ہیں۔ سرخی مائل اور کنوارے۔ کیا تمھیں نہیں لگتا کہ یہ صرف تمھارے ہی ہونٹوں کے لیے بنے ہیں؟ لیکن کیا تمھیں مجھ جیسے ایک شرون سے خوف لگتا ہے۔ جو محبت کی تعلیم حاصل کرنے جنگل سے تمھارے پاس آیا ہے"؟

"کیسا خوف؟ ایک ناسمجھ شرون سے میں کیوں ڈروں گی جو جنگل سے، سیاروں کی بستی سے آیا ہے۔ اور عورتوں کے معاملے میں بالکل اناڑی ہے"۔

"یہ شرون بہت طاقتور ہے حسینہ۔ اسے کسی کا خوف نہیں۔ وہ تم سے جو چاہے کروا سکتا ہے، تمھیں لوٹ سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے"۔

"میں نہیں ڈرتی شرون۔ کیا کسی شرون یا برہمن کو کبھی ایسا خوف ہوا ہے کہ اس پر دھاوا بول کر اس کا علم، اس کی پاکیزگی اور گہرائی تک غور و خوض کرنے کی صلاحیت چھین لے گا۔ نہیں۔ اس لیے کہ وہ اس کی اپنی چیز، اپنی دولت ہے۔ ان میں سے وہی چیز کسی کو مل سکتی ہے جیسے وہ خود دینا چاہے۔ اور وہ بھی اسے ہی جسے وہ خود منتخب کرے۔ کملا کے بارے میں اور محبت کی لذتوں کے بارے میں بھی یہی سچ ہے۔ کملا کے ہونٹ خوبصورت اور سرخ ضرور ہیں لیکن ذرا کملا کی خواہش کے

خلاف ان کا بوسہ لو۔ تمھیں ذرہ برابر شیرینی نہیں ملے گی۔ حالانکہ شیرینی دینا کملا کے ہونٹوں کو آتا ہے۔ تم اگر باصلاحیت شاگرد ہو سدھارتھ، تو یہ بھی سیکھ لو کہ آدمی مانگ کر یا مول لے کر محبت پا سکتا ہے۔ دے بھی سکتا ہے۔ یا بازار سے خرید بھی سکتا ہے لیکن وہ چرائی نہیں جا سکتی۔ تم غلط سمجھے سدھارتھ۔ تم جیسا ہوشیار نوجوان سمجھنے میں بھول کرے یہ افسوس کی بات ہے"۔

سدھارتھ سر جھکا کر مسکرایا۔ "ٹھیک کہتی ہو کملا۔ سچ مچ افسوس کی بات ہے۔ تمھارے ہونٹوں کی مٹھاس کا ایک ذرہ بھی رائگاں نہ ہونا چاہئے۔ میرے ہونٹوں کا بھی نہیں۔ سدھارتھ پھر آئے گا جب اس میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ جب کپڑے، جوتے اور روپے ہوں گے وہ پھر آئے گا۔ لیکن کیا تم مجھے ایک مشورہ دے سکتی ہو"۔

"مشورہ؟ ضرور۔ سیاروں کی بستی سے آئے غریب، اجنبی شرون کو کون مشورہ دینا نہیں چاہے گا"۔

"تو یہ تینوں چیزیں مجھے کہاں سے حاصل ہو سکتی ہیں؟"۔

"یہ کئی لوگ جاننا چاہتے ہیں دوست۔ تمھیں جو بھی کام آتا ہو، وہی کرو۔ اس کے بدلے میں دولت، کپڑے اور جوتے لے لو۔ غریب کے پاس اس کے علاوہ کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟ تم کیا کر سکتے ہو؟"۔

"میں سوچ سکتا ہوں، میں انتظار کر سکتا ہوں، میں بھوکا رہ سکتا ہوں"۔

"بس"۔

"ہاں ایک کام اور۔ میں شاعری کر سکتا ہوں"۔

"کچھ سناؤ"۔

"کیا تم ایک نظم کے لیے ایک بوسہ دے سکو گی؟"۔

"نظم اچھی ہوئی تو یہ ہو بھی سکتا ہے"۔

ایک لمحہ کی فکر کے بعد سدھارتھ نے نظم سنائی۔

ایک حسین دوشیزہ
آئی گشت گلشن کو
گلستاں کے دروازے
پر کھڑا تھا اک شرون

جس نے اک نظر دیکھا
اور اس کی خدمت میں
ہاتھ جوڑ کر اپنے
احترام دے ڈالا
وہ حسین دوشیزہ
مسکرائی زیرِ لب
جنگلوں کا شہزادہ
سوچنے لگا کچھ یوں
کیوں نہ دیوتا اس کی
بار گاہ میں آئیں
با ادب، خمیدہ سر

کملا نے اتنی زور سے تالی بجائے کہ اس کی کلائیوں کی طلائی چوڑیاں کھنکنا اٹھیں۔

"تمھاری نظم بہت خوبصورت ہے شرون۔ میں سمجھتی ہوں اس کے بدلے میں ایک بوسہ دے دینا گھاٹے کا سودا نہیں ہے"۔

اس نے نگاہوں کے اشارے سے سدھارتھ کو نزدیک بلایا۔ سدھارتھ اپنے چہرے کو اس کے چہرے کے بالکل قریب لے گیا۔ اپنے ہونٹوں سے اس کے ہونٹ مس کیے جو تازہ کٹے انجیر کی طرح تھے۔ کملا نے پورے جوش کے ساتھ اس کا بوسہ لیا۔ جذبات کی رو میں سدھارتھ کو یوں لگا کہ کملا نے اسے نہ جانے کتنا کچھ سکھا دیا ہے۔ اس نے سوچا یہ کتنی ہنر مند ہے۔ کس طرح اس نے مجھے مسحور کر دیا۔ اس طویل بوسے کے بعد کتنے ہی اور بوسے اس کے منتظر تھے۔ سدھارتھ کا تنفس بے قابو تھا۔ اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ علم اور ہنر کی عظمت کے سامنے وہ ایک معصوم بچے کی طرح تھا۔

"تمھاری نظم بڑی پیاری ہے"۔ کملا نے کہا۔ "اگر میں دولت مند ہوتی تو تمھیں دولت بھی دیتی۔ مگر شاعری سے تم حسب منشا دولت حاصل نہ کر سکو گے۔ اور کملا کا دوست بننے کے لیے تمھیں دولت کی ضرورت پڑے گی"۔

"تمھارے بوسے میں کوئی جادو ہے کملا"۔ سدھارتھ لکنت زدہ لہجے میں بولا۔

"ہاں تبھی تو میرے پاس کپڑوں، جوتوں، چوڑیوں اور خوبصورت چیزوں کی کمی نہیں

ہے۔ لیکن تم کیا کرنے کی سوچ رہے ہو۔ سوچنے، انتظار کرنے، بھوکا رہنے اور شاعری کرنے کے علاوہ تم کچھ اور نہیں کر سکتے"؟۔

"مجھے وید منتر آتے ہیں"۔ سدھارتھ نے کہا "لیکن ان کی ادائیگی میں نے ترک کر دی ہے۔ میں جادو ٹونا بھی جانتا ہوں لیکن اب وہ بھی نہیں کروں گا۔ مذہبی صحیفوں کا مطالعہ بھی میں نے کیا ہے۔۔۔۔۔"

"رکو"۔ کملا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "تم پڑھ اور لکھ سکتے ہو نا"۔

"ہاں۔ لیکن ایسا تو کئی لوگ کر سکتے ہیں"۔

"بیشتر لوگ نہیں جانتے۔ جیسے میں نہیں جانتی۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ کہ تم لکھ پڑھ سکتے ہو، کبھی جادو ٹونے کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے"۔

اسی وقت ایک خدمت گار آیا۔ اور اس نے چپکے اسے اپنی مالکن کے کان میں کچھ کہا۔

"مجھ سے کوئی ملنے آیا ہے سدھارتھ" کملا نے کہا۔ "جلدی جاؤ تمہیں یہاں کوئی دیکھنے نہ پائے۔ کل پھر تم سے ملوں گی"۔

کملا نے اپنے خادم سے کہا کہ اس مقدس برہمن کو ایک سفید چوغہ دے دو۔ سدھارتھ کی سمجھ میں یہ سب نہیں آرہا تھا۔ خدمت گار نے اسے ایک چوغہ دے کر فوراً ایک چور دروازے سے چلے جانے کو کہا۔ تاکہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑے۔

سدھارتھ نے سکون کی سانس لی۔ وہ جنگل میں رہنے کا عادی تھا۔ اس لیے وہ آسانی سے جھاڑیاں پھاند کر باہر نکل آیا۔ سفید چوغے کو بغل میں دبائے ہوئے وہ آرام سے شہر میں آیا، ایک سرائے کے دروازے پر رکا۔ جہاں مسافروں سے بھیک مانگنے پر اسے کچھ چاول مل گئے۔ اس نے سوچا اب شاید مجھے کھانا مانگ کر نہیں کھانا چاہیے۔ اب میں شرون نہیں ہوں۔ اب بھیک مانگنا مجھے زیب نہیں دیتا۔

اس نے چاول ایک کتے کے آگے پھینک دئے اور خود بھوکا ہی رہا۔

یہاں زندگی گزارنا کتنا آسان ہے۔ سدھارتھ نے سوچا۔ کوئی مشکل نہیں۔ جب شرون تھا تو ہر چیز مشکل اور مایوس کن تھی۔ اب ہر چیز آسان ہے۔ کملا کے بوسے کی طرح۔ مجھے صرف کپڑے اور پیسے ہی تو چاہیے۔ یہ آسان چیزیں ہیں۔ جن کے لیے نیند حرام کرنا بیکار ہے۔

شہر میں کملا کے محل کا پتہ اس نے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا۔ اگلے دن وہ وہاں جا پہنچا۔

"تمھارا کام بن رہا ہے سدھارتھ"۔ کملا نے اس کے قریب آکر کہا۔ "تمھیں کام سوامی نے

بلایا ہے۔ وہ اس شہر کا سب سے دولت مند تاجر ہے۔ اگر تم اسے خوش رکھ سکے تو وہ تمھیں اپنے یہاں رکھ لے گا۔ ہوشیاری سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے کچھ لوگوں کے ذریعہ تمھارا نام اس تک پہنچایا ہے۔ اس سے دوستی کرو۔ وہ بہت بااثر آدمی ہے۔ لیکن اس کے سامنے بہت بھولے مت بنے رہنا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس کے خادم نہیں بلکہ اس کے برابر کے بن کر رہو۔ ورنہ مجھے خوشی نہیں ہوگی۔ کام سوامی بوڑھا آدمی ہے۔ خوش ہو گیا تو تم پر پورا بھروسہ کرے گا"۔

سدھارتھ نے مسکرا کر کملا کر شکریہ ادا کیا۔ جب کملا کو معلوم ہوا کہ اس نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا تو اس نے کھانا اور پھل منگوائے اور اسے کھلایا۔

سدھارتھ جانے لگا تو کملا بولی۔ "تم بڑے خوش نصیب نکلے۔ تمھارے لیے دروازے پر دروازے کھلتے جا رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو رہا ہے؟ تم کوئی ساحر تو نہیں ہو؟"۔

سدھارتھ نے کہا "میں نے کل کہا تھا۔ میں سوچنا، انتظار کرنا اور بھوکا رہنا جانتا ہوں۔ تمھیں یہ چیزیں کسی کام کی نہیں لگیں۔ اب تم دیکھو گی کہ یہ کتنی اہم ہیں۔ تم دیکھو گی کہ جنگل میں رہنے والے شرون بھی کتنی ہی کام کی باتیں جانتے ہیں۔ پرسوں تک میں میلا کچیلا بھکاری تھا۔ کل میں نے کملا کے ہونٹ پا لیے۔ اور اب جلد ہی تاجر بننے جا رہا ہوں۔ میرے پاس دولت اور وہ ساری چیزیں ہوں گی جنھیں تم بہت بڑا سمجھتی ہو"۔

"ٹھیک ہے"۔ اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ "لیکن یہ تم میرے بغیر کیسے کر لیتے۔ کملا اگر تمھاری مدد کے لیے نہ آتی تو تم نہ معلوم کہاں ہوتے"۔

سدھارتھ نے کہا "پیاری کملا جب میں باغیچے میں تمھارے پاس آیا تھا۔ تو وہ میرے پہلی کوشش تھی۔ میں شہر کی حسین ترین عورت سے پریم گیان پانا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ تم میری مدد کرو گی۔ باغیچے کے باہر جب پہلی بار تم نے مجھے دیکھا تھا اسی وقت میں یہ بات سمجھ گیا تھا"۔

"اگر میں نہ چاہتی تو"؟

"تم ایسا نہیں کر سکتی تھیں کملا۔ پانی میں تم پتھر پھینکو گی تو وہ تہ تک پہنچ ہی جائے گا۔ سدھارتھ کے کسی بھی مقصد، کسی بھی نشانے کے ساتھ بھی یہ بات حرف بہ حرف سچ ہے۔ سدھارتھ کبھی کچھ نہیں کرتا۔ وہ صبر کے ساتھ انتظار کرتا ہے، غور کرتا ہے، بھوکا رہتا ہے۔ لیکن وہ دنیا کے اعمال سے بغیر کسی کوشش کے، بغیر داخلی تحریک کے گزر جاتا ہے۔ پانی میں پھینکے ہوئے پتھر کی طرح کھنچتا جاتا ہے اور اپنے کو ڈوب جانے دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے نشانے میں رکاوٹ بننے والی چیزوں کو اپنے من میں آنے نہیں دیتا۔ سدھارتھ نے شرونوں سے یہی سیکھا ہے۔ بیوقوف

لوگ اسے جادو کہتے ہیں، آدمی یہ جادو کر سکتا ہے۔ ہر آدمی مقصد تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ سوچنا، انتظار کرنا اور بھوکا رہنا جانتا ہو"۔

کملا سنتی رہی اور اسے سدھارتھ کی باتوں پر، اس کی چتون پر پیار آتا رہا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو سدھارتھ" کملا نے کہا "اور شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ سدھارتھ خوبصورت ہے۔ اس کی چتون عورتوں کو پیاری لگتی ہے۔ اور یہ کہ وہ قسمت کا دھنی ہے"۔

سدھارتھ نے اسے چوم لیا۔ وداع لیتے ہوئے اُس نے کہا "کاش میری آنکھیں تمھیں ہمیشہ اچھی لگتی رہیں۔ اور تم اسی طرح مجھے قسمت کا دھنی بتاتی رہو"۔



لوگوں کے درمیان

سدھارتھ کام سوامی سے ملنے گیا۔ ایک بہت خوبصورت محل میں نوکر اسے بیش قیمت قالینوں سے آراستہ راہ داریوں سے ایک کمرے میں لے گئے جہاں اس نے کام سوامی کا انتظار کیا۔

کام سوامی اندر آیا۔ وہ تیز اور پھرتیلا آدمی تھا۔ اس کے بال پکنے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر چالاکی اور عقل مندی جھلک رہی تھی۔ میزبان اور مہمان دونوں نے دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کو سلام کیا۔

کام سوامی نے بات شروع کی۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ برہمن اور عالم نوجوان ہیں لیکن تاجر کے یہاں نوکری کرنا چاہتے ہیں آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے"۔

"نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کبھی رہی ہے۔ میں شرونوں کی بیچ سے آیا ہوں۔ جن کے ساتھ میں طویل عرصے تک رہا ہوں"۔

"آپ شرونوں کے پاس سے آئے ہیں۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ شرونوں کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی"۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے" سدھارتھ نے کہا "اگر آپ یہی جاننا چاہتے ہیں تو سنئے۔ میں غریب ضرور ہوں لیکن میرے پاس اپنی آزاد خواہش ہے۔ اس لیے مجھے کوئی چیز نہیں چاہئے"۔

"لیکن جب آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو آپ زندہ کیسے رہیں گے"۔

"اس بارے میں میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ میں تقریباً تین سال تک بغیر کسی سامان کے رہا ہوں اور میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں کس طرح گزر کروں گا"۔

"تو آپ دوسرے کے سامان پر گزر کرتے رہے ہوں گے"۔

"ہاں۔ تاجر بھی تو دوسروں کی دولت پر گزر بسر کرتا ہے"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن وہ دوسروں سے مفت نہیں لیتا۔ بدلے میں اپنی چیزیں دیتا ہے"۔

"یہی عمل اور رد عمل ہے۔ ہر کوئی لیتا ہے۔ ہر کوئی دیتا ہے۔ یہی زندگی ہے"۔

"ہاں، لیکن آپ کے پاس اگر کچھ نہیں ہے تو آپ دیں گے کہاں سے"۔

ہر آدمی وہی دے سکتا ہے جو اس کے پاس ہے۔ فوجی طاقت دیتا ہے۔ تاجر مال دیتا ہے۔ معلم علم دیتا ہے۔ کسان چاول دیتا ہے۔ ماہی گیر مچھلی۔۔۔"۔

"ٹھیک ہے لیکن آپ کیا دے سکتے ہیں؟ کیا کر سکتے ہیں؟"

"میں سوچ سکتا ہوں۔ میں انتظار کر سکتا ہوں۔ میں بھوکا رہ سکتا ہوں"۔

"بس اتنا ہی"۔

"ہاں اتنا ہی"۔

"لیکن ان سے فائدہ؟ بھوکا رہنا کس کام کا ہے"۔

"بھوکا رہنا بڑی اہم چیز ہے جناب۔ کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو۔ تو اس کے لیے بھوکا رہنا ہی سب سے اچھی بات ہوگی۔ مان لیجیے سدھارتھ کو بھوکا رہنے کی عادت نہ ہوتی۔ تو آج اسے کوئی کام تلاش کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا۔ چاہے آپ کے یہاں چاہے کہیں اور۔ یہ بھوک اسے نچاتی رہتی۔ لیکن اب ایسا ہے کہ سدھارتھ خاموشی سے انتظار کر سکتا ہے۔ وہ بے چین نہیں ہے۔ اس کی ضروریات بھی زیادہ نہیں ہیں۔ وہ کئی دن بھوک کے ساتھ گزار سکتا ہے۔ اور اس پر ہنس سکتا ہے۔ بھوکا رہنا اسی لیے اہم ہے"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں شرون۔ رکیے میں ابھی آیا"۔

کام سوامی باہر گیا اور پھر ہاتھ میں ایک بہی لیے ہوئے واپس آیا۔ سدھارتھ کو بہی دیتے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ اسے پڑھ سکتے ہیں؟"

سدھارتھ نے بہی دیکھی۔ اس پر آمد و خرچ کا حساب تھا۔ اس نے اس کا کچھ حصہ اسے پڑھ کر سنایا۔

"بہت اچھا" کام سوامی نے کہا۔ "کیا آپ اس کاغذ پر کچھ لکھ سکتے ہیں"۔ اس نے سدھارتھ کو ایک کاغذ اور قلم دیا۔ جس پر سدھارتھ نے کچھ لکھا اور لوٹا دیا۔

کام سوامی نے اسے پڑھا۔ "لفظ بہتر ہے مگر فکر بہترین، ہوشیاری بہتر ہے مگر صبر بہترین"۔

"آپ بہت اچھا لکھتے ہیں"۔ کام سوامی نے خوش ہو کر کہا۔ "ابھی ہمیں کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں۔ میں چاہوں گا کہ آپ میرے مہمان بن کر یہیں رہیں"۔

سدھارتھ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کا مہمان بننا قبول کر لیا۔ اب وہ وہیں رہنے لگا۔

اس کے لیے ریشمی لباس اور جوتے لائے گئے۔ روزانہ غسل کے لیے ایک خادم دیا گیا۔ دن میں دوبار لذیذ کھانے، لیکن وہ صرف ایک وقت کھاتا تھا۔ گوشت اور شراب کا استعمال اس نے نہیں کیا۔ کام سوامی نے اسے اپنی تجارت کے بارے میں بتایا۔ سامان اور گودام دکھائے اور سارا حساب سمجھایا۔ سدھارتھ نے نئی نئی باتیں سیکھیں۔ وہ بولتا کم اور سنتا زیادہ تھا۔ کملا کے الفاظ اسے یاد تھے۔ اس لیے اس نے کام سوامی کی خوشامد اور چاپلوسی نہیں کی۔ وہ کام سوامی کو برابر یہ احساس دلاتا رہتا تھا کہ وہ اس کے برابر کا ہے بلکہ کچھ بڑا ہی ہے۔ کام سوامی اپنا کاروبار بڑی ہوشیاری سے چلاتا تھا۔ لیکن سدھارتھ کو یہ سب کھیل لگ رہا تھا۔ جس کا ہر اصول سیکھنے کو وہ تیار تھا۔ لیکن اس سے متاثر ہونے کے لیے بالکل نہیں۔

کام سوامی کا کاروبار چلاتے ہوئے سدھارتھ گھر میں کم ہی رہ پاتا تھا۔ پھر بھی کملا اسے جب اور جہاں بلاتی وہ خوبصورت لباس اور جوتوں سے سجا سنورا فوراً پہنچ جاتا۔ جلد ہی وہ کملا کے لیے تحائف بھی لے جانے لگا۔ کملا کے سرخ اور شوخ ہونٹوں سے اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ اس کی نرم اور گداز بانہوں نے اسے بہت کچھ سکھایا۔ محبت کے معاملے میں وہ ابھی بچہ تھا۔ اپنی تمام تشنگی کے ساتھ وہ محبت کی گہرائیوں میں ڈوب جانا چاہتا تھا۔ پھر کملا نے اسے سکھایا کہ آدمی محبت کی مسرتیں اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ خود مسرت دینا نہ جانے۔ بغیر دئے اس سکھ کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ کہ محبت میں ہر ادا کا، ہر ہم آغوشی کا، ہر چتون کا اور جسم کے ہر حصے کا اپنا ایک راز ہے۔ جس سے ملی مسرت کو ایک محبت کرنے والا ہی محسوس کر سکتا ہے۔

اس نے سدھارتھ کو یہ بھی سکھایا۔ کہ مباشرت کے بعد، محبت کرنے والوں کو ایک دوسرے کے لیے احسان مندی کے احساس کے بغیر، ایک دوسرے سے ہار جیت کا کھیل کھیلے بغیر، ایک دوسرے سے الگ ہونا چاہئے۔ تاکہ نہ پوری تسکین ہو۔ نہ اداسی چھائے اور نہ ایک دوسرے کو غلط استعمال کرنے کا قابل نفرت احساس بیدار ہو۔ اس ہوشیار اور حسین طوائف کے ساتھ گزرے لمحات یادگار تھے۔ وہ اس کا شاگرد، محبوب، دوست، سبھی کچھ بنا۔ اسے زندگی کی کوئی قیمت کملا کے قرب میں ہی محسوس ہوتی تھی۔ کام سوامی کی تجارت میں نہیں۔ کام سوامی کے ضروری خطوط اور ہدایات لکھنے کا کام سدھارتھ کے پاس تھا۔ اہم موضوعات پر وہ اس سے مشورہ بھی کرنے لگا تھا۔ کام سوامی نے دیکھا کہ سدھارتھ چاول اور اون، درآمد اور برآمد کے بارے میں بہت کم جانتا ہے لیکن اس میں ایک عجیب صلاحیت ہے۔ صبر اور محنت۔ دوسروں کی باتیں سننے اور اجنبیوں کو متاثر کرنے میں وہ کام سوامی سے کہیں آگے ہے۔ کام سوامی نے اپنے ایک دوست سے کہا۔ "یہ برہمن تجارت میں ہوشیار نہیں ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے تجارت کے کاموں میں کبھی

دلچسپی لیتے نہیں دیکھا لیکن وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے پاس کامیابی خود بہ خود چلی آتی ہے۔ پتہ نہیں وہ پیدائشی خوش قسمت ہے یا کوئی ساحر ہے یا اس نے شرونوں سے کوئی فن سیکھا ہے؟ تجارت اس کے لیے کھیل ہے۔ وہ اسے ذرا بھی سنجیدگی سے نہیں لیتا۔ لین دین کبھی اس پر حاوی نہیں ہونے پاتا۔ ناکامیابی سے وہ گھبراتا نہیں۔ نقصان ہو جائے تو بھی فکر نہیں کرتا"۔

دوست نے کام سوامی سے کہا "وہ تمھارا کتنا بیوپار سنبھال رہا ہے اس کا ایک تہائی حصہ اسے دے دو۔ نقصان ہونے پر بھی وہ برابر کا حصہ دار ہوگا۔ اس سے اس کی دلچسپی بڑھے گی"۔

کام سوامی نے یہ بھی کر کے دیکھا۔ لیکن سدھارتھ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ کاروبار میں کچھ منافع ہوتا تو وہ اسی میں قناعت کر لیتا۔ اگر کبھی نقصان ہوتا تو وہ ہنس کر کہتا اس بار کچھ نقصان ہو گیا۔ چلو ٹھیک ہے۔

کاروبار واقعی کچھ مندا تھا۔ ایک بار وہ چاول کی کھڑی فصل خریدنے ایک گاؤں پہنچا۔ اس کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی کوئی دوسرا تاجر سارے چاول خرید چکا تھا۔ پھر بھی سدھارتھ کئی دن وہاں پڑا رہا۔ کسانوں کی تفریح کا سامان کرتا رہا۔ بچوں کو پیسے تقسیم کرتا رہا۔ ایک شادی میں بھی شریک ہوا۔ اور پھر خوشی خوشی واپس لوٹ آیا۔ کام سوامی نے اتنی دیر سے واپس آنے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ وقت اور دولت برباد کر رہا ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ ناراض کیوں ہوتے ہو دوست؟ ڈانٹ پھٹکار سے کچھ نہیں ملتا۔ اگر سچ مچ کوئی نقصان ہوا ہے تو وہ میں برداشت کروں گا۔ میں اس سفر سے بہت خوش ہوں۔ کئی لوگ ملے۔ ایک برہمن سے بھی دوستی ہوئی۔ بچے میری گود میں آ کر بیٹھتے تھے، کسانوں نے مجھے اپنے کھیت دکھائے۔ کسی نے مجھے تاجر نہیں سمجھا۔

"یہ سب ٹھیک ہے" کام سوامی نے نفرت سے کہا۔ "لیکن تم ہو تو آخر ایک تاجر ہی۔ کیا تم صرف خوشی حاصل کرنے وہاں گئے تھے"۔

"یقیناً میں نے حصول مسرت کے لیے ہی سفر کیا تھا"۔ سدھارتھ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہاں نئے لوگوں اور نئی جگہوں سے میں متعارف ہوا۔ میں نے دوستی اور یقین کی خوشی حاصل کی۔ اب اگر میں کام سوامی ہوتا تو کچھ نہ خرید پانے کے غم میں لوٹ آتا۔ اور پھر وقت اور پیسہ سچ مچ بے کار چلا جاتا۔ لیکن میں نے وہاں اچھے دن گزارے۔ بہت کچھ سیکھا بھی۔ مزے سے رہا۔ غصے اور جلد بازی سے نہ کسی کو ٹھیس پہنچائی، نہ اپنے آپ کو۔ اب اگر کبھی میں وہاں جاؤں۔ شاید اگلی فصل خریدنے یا کسی اور چیز کے لیے، تو لوگ خلوص سے میرا استقبال کریں گے۔ اور اس وقت مجھے اس بات کی خوشی ہوگی کہ میں نے پہلے غصے اور جلد بازی سے کام نہیں لیا تھا۔ خیر اب اسے بھول جاؤ دوست۔ ڈانٹ پھٹکار

سے اپنا دل دکھی نہ کرو۔ جس دن لگے کہ سدھارتھ تمھیں کچھ نقصان پہنچا رہا ہے۔ بتا دینا۔ تمھارے منہ سے جیسے ہی یہ نکلے گا سدھارتھ چل دے گا۔ تب تک تو ہم اچھے دوستوں کی طرح رہیں"۔

کام سوامی نے سدھارتھ کو یہ احساس دلانا چاہا کہ وہ اس کی روٹیاں توڑ رہا ہے لیکن ان کوششوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ سدھارتھ اپنی ہی روٹی کھا رہا ہے، جب کہ دوسرے لوگ دوسروں کی روٹیاں کھا رہے ہیں۔ سدھارتھ کو کام سوامی کی پریشانی سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ اور کام سوامی کو کئی پریشانیاں تھیں۔ کسی سودے میں گھاٹا دکھائی دیتا، کوئی مال بیچ میں ٹوٹ پھوٹ جاتا، کسی قرضدار سے قرض کی وصولیابی کی امید جاتی رہتی، تو کام سوامی سدھارتھ کو یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کرتا کہ یہی وجہیں ہوتی ہیں پریشانی اور غصے کی، پیشانی پر بل پڑنے کی، اور نیند میں بھی بے چین رہنے کی۔ ایک بار کام سوامی نے سدھارتھ کو یاد دلایا کہ اس نے کام سوامی سے کتنا کچھ سیکھا ہے۔ تو سدھارتھ نے کہا۔ "اس طرح کی مضحکہ خیز باتیں مت کیا کرو دوست۔ میں نے تم سے سیکھا ہے کہ ایک ٹوکری مچھلیوں کی قیمت کیا ہوتی ہے، اور یہ کہ قرض دے کر کتنا سود وصول کیا جا سکتا ہے، تمھارے پاس یہی علم ہے۔ غور و فکر میں نے تم سے نہیں سیکھا دوست۔ یہ تم مجھ سے سیکھتے تو بہتر تھا"۔

کاروبار میں اس کا جی نہیں لگتا تھا۔ یہ اسے دولت ضرور دیتا تھا۔ جو اسے کملا کے لیے چاہیے تھی۔ اور کاروبار نے اسے ضرورت سے زیادہ ہی دولت دی تھی۔ اس کے علاوہ سدھارتھ کے دل میں ہمدردی اور تجسس صرف ان لوگوں کے لیے تھا جن کے کاموں، پریشانیوں، مسرتوں اور بے وقوفیوں سے وہ انجان تھا۔ وہ ہر آدمی سے باتیں کرتا تھا۔ سب کے ساتھ رہ لیتا۔ ہر ایک سے کچھ نہ کچھ سیکھنا اسے اچھا لگتا تھا۔ پھر بھی وہ اس سے بھی واقف تھا کہ ایسا کچھ ہے جو اسے دوسروں سے مختلف بناتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ شرون رہ چکا ہے۔ اس نے لوگوں کو بچوں کی طرح اور جانوروں کی طرح زندگی گزارتے ہوئے دیکھا۔ اسے دونوں سے ہمدردی تھی اور نفرت بھی۔ اس نے انھیں محنت کرتے ہوئے دیکھا، انھیں دکھ اٹھاتے ہوئے، بوڑھا ہوتے ہوئے دیکھا، دولت کے لیے، لمحاتی مسرت کے لیے، بے معنی عزت کے لیے، ان تمام چیزوں کے لیے جو سدھارتھ کی نگاہوں میں بے کار تھیں۔ اس نے انھیں آپس میں گالم گلوج کرتے، لڑتے بھڑتے دیکھا۔ اس نے انھیں غموں سے روتے ہوئے دیکھا۔ ایسے دکھوں پر جس پر ایک شرون ہنس سکتا تھا۔ اس نے انھیں کمیاب چیزوں کی وجہ سے بے چین ہوتے دیکھا جس کا احساس ایک شرون کو کبھی نہیں ہوتا۔

وہ لوگوں کی ہر بات مان لیتا۔ وہ ململ بیچنے آئے تاجر کا بھی استقبال کرتا۔ اور قرض مانگنے

والے آدمی کا بھی۔ بھکاری کا بھی استقبال کرتا جو گھنٹہ بھر اپنی غریبی کا رونا روتا۔ مگر جو شرون جیسا غریب نہیں ہوتا۔ داڑھی بنانے والا خادم ہو یا مہنگے داموں کیلیے بیچنے والا ہو، یا غیر ملک سے آنے والا کوئی تاجر ہو۔ سدھارتھ کا سلوک سب کے ساتھ یکساں تھا۔ جب کبھی کام سوامی اس سے اپنے تفکرات کے بارے میں بات کرتا تھا۔ کسی کے لین دین کے معاملے میں اس پر جھنجھلاتا تو وہ غور سے سنتا، تعجب سے دیکھتا اور پھر منہ پھیر کر ملنے کے لیے آئے ہوئے کسی آدمی سے گفتگو میں مصروف ہو جاتا۔ کتنے ہی لوگ اس کے پاس آتے۔ کوئی سودا طے کرنے، کوئی مشورہ کرنے۔ وہ مشورہ دیتا، ہمدردی کا اظہار کرتا، تحفے دیتا اور تھوڑا بہت ٹھگے جانے کی پرواہ نہ کرتا۔ وہ اس کھیل میں دوسرے لوگوں کی طرح مشغول ہو گیا جیسے کہ پہلے وہ دیوتاؤں اور برہم کے دھیان میں محو رہا کرتا تھا۔

کئی بار اس نے اپنے اندر اٹھتی ہوئی ایک ہلکی سی آواز سنی جس میں تنبیہ تھی لیکن وہ آواز اتنی کمزور تھی کہ ٹھیک سے سنائی نہیں دی۔ پھر ایک دن اچانک اس نے محسوس کیا کہ وہ عجیب زندگی گزار رہا ہے۔ وہ کچھ ایسے کام کر رہا ہے جو کھیل سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔ ساری خوشیوں کے باوجود، مسرتوں کے تجربات کے باوجود دائمی مسرت اس سے دور ہے۔ جیسے ایک کھلاڑی گیند سے کھیلتا ہے، وہ بھی اپنے کاروبار اور اپنے اطراف کے لوگوں سے کھیلتا رہا، انھیں دیکھتا رہا، اپنے آپ کو بہلاتا رہا۔ لیکن وہ اپنے دل اور خواہش کے ساتھ اپنی حقیقی شکل میں وہاں کبھی نہیں رہا۔ اس کی آتما نظروں سے اوجھل دور کہیں منڈلاتی رہی۔ جیسے اس کی زندگی سے اسے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

ان خیالات سے کبھی کبھی وہ ڈر جاتا۔ اس کی خواہش ہوتی کہ وہ باہر کی اس دنیا کو گہرائی سے محسوس کرے۔ اس میں شریک ہو۔ اس کا سکھ پائے۔ اور محض ایک تماشائی بننے کے بجائے انھیں جیسی زندگی جیے۔

کملا کے پاس وہ برابر جاتا رہا۔ اس سے محبت کا درس لیتا رہا۔ جس میں دینے اور لینے کے سارے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ کملا سے باتیں کرتا۔ اسے مشورہ دیتا اور اس سے مشورہ لیتا۔ گووندا نے اسے جتنا سمجھا تھا۔ کملا اسے اس سے زیادہ سمجھتی تھی۔ بلکہ کملا بھی گووندا کی ہی طرح تھی۔

ایک بار اس نے کملا سے کہا۔ "تم بھی مجھ جیسی ہو۔ دوسروں سے ایک دم مختلف۔ تم کملا ہو صرف کملا۔ تمہارے اندر ایک پر سکون اور مقدس جگہ ہے۔ مندر جیسی جہاں تم جب چاہو چلی جاتی ہو۔ میری ہی طرح۔ یہ صلاحیت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ حالانکہ اسے ہر آدمی پا سکتا ہے"۔

"کچھ لوگ ہی ہوشیار ہوتے ہیں"۔ کملا نے کہا۔

"اس کے لیے ہوشیار ہونا ضروری نہیں کملا"۔ سدھارتھ نے کہا۔ "کام سوامی بھی تو میری طرح ہوشیار ہے لیکن اس کے اندر کوئی مقدس جگہ نہیں ہے۔ انھیں لوگوں کے اندر یہ

پاکیزگی ملتی ہے جن کا بچپن ابھی نہ گیا ہو۔ زیادہ تر لوگ تو گرے پتوں کی طرح ہیں، کملا۔ جو ہوا میں تیرتے ہیں۔ ناچتے پھڑپھڑاتے اور زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔ کچھ ہی لوگ ہیں جو ستاروں کی طرح اپنے مقررہ راستے پر چلتے رہتے ہیں۔ ہوا انھیں چھو بھی نہیں سکتی۔ وہ خود اپنی راہ اور خود ہی اپنے رہبر ہوتے ہیں۔ تمام عالموں میں سے جن میں سے بیش تر سے میں واقف ہوں۔ صرف ایک شخص ہے جو اس زاویۂ نگاہ سے مکمل ہے۔ میں اسے بھول نہیں سکتا۔ وہ گوتم ہے۔ بدھ، جو یہی درس دیتے ہیں۔ روزانہ ہزاروں نوجوان ان کی تعلیمات سنتے ہیں اور ہر لمحہ ان کے احکام پر چلتے ہیں۔ لیکن وہ بھی، سب کے سب گرتے ہوئے پتوں کی طرح ہیں۔ ان کے اندر شعور نہیں ہے"۔

کملا سدھارتھ کو دیکھ کر مسکرائی۔ "تم پھر ان کے بارے میں بولنے لگے۔ اب بھی تمھارے اندر ایک سنیاسی چھپا ہے"۔

سدھارتھ خاموش ہو گیا۔ پھر ان دونوں نے مباشرت کی۔ کملا تیں چالیس آسن جانتی تھی۔ جن میں سے ایک اس نے سدھارتھ کو سکھایا۔ اس کا جسم ایک چیتے کی طرح، شکاری کی کمان کی طرح لوچ دار تھا۔ محبت کے اسرار و رموز سے پر، مسرت بخش جسم۔ وہ اس وقت تک سدھارتھ سے کھیلتی رہی، اسے کھسیاتی رہی، پریشان کرتی رہی، محسوس کرتی رہی، احساس دلاتی رہی، اسے ہراتی رہی، اپنی فتح پر خوش ہوتی رہی جب تک سدھارتھ شکستہ اور چور چور ہو کر اس کی بغل میں نڈھال ہو کر لیٹ نہیں گیا۔

تب وہ سدھارتھ کے اوپر جھکی اور اس کے چہرے کو، اس کی تھکی ہوئی آنکھوں میں ایک ٹک دیکھتی رہی۔

"آج تک جتنے لوگ میرے یہاں آئے، تم ان میں سب سے اچھے ہو"۔ اس نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔ "تم ان سے کہیں زیادہ طاقت ور لوچ دار اور ہوشیار ہو۔ میرے فن کو تم نے اچھی طرح سیکھا ہے۔ جب میں ادھیڑ ہونے لگوں گی تو تم سے اولاد پیدا کرنا پسند کروں گی، سدھارتھ۔ لیکن تم اب بھی شرون ہو۔ تمھیں مجھ سے سچی محبت نہیں ہے۔ تمھیں کسی سے محبت نہیں ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے"۔

"ہو سکتا ہے"، سدھارتھ نے بجھے لہجے میں کہا، "میں بھی تمھاری ہی طرح ہوں، تمھیں بھی تو کسی سے محبت نہیں ہے ورنہ تم محبت کو فن اور آسنوں میں کیسے ڈھال سکتی تھیں؟ شاید ہمارے جیسے لوگ محبت نہیں کر سکتے۔ معمولی لوگ محبت کر سکتے ہیں۔ شاید یہی ان کی مسرت کا راز ہے"۔

☆ ☆ ☆

سنسار

سدھارتھ کافی عرصے تک دنیاوی زندگی جیتا رہا۔ والہانہ۔ مگر شرون زندگی کے زمانے کی دبی ہوئی یادیں اور خواہشات اکثر جاگ جاتیں۔ اس نے تعیش، ہوس اور قوت کا ذائقہ جان لیا تھا۔ پھر بھی بہت دنوں تک اس کا اندروں شرون ہی رہا۔ کملا یہ بات جانتی تھی۔ سدھارتھ کی زندگی میں، اس کے ہر عمل کے پیچھے، غور و فکر، انتظار اور بھوکا رہنے کی عادت تھی۔ دنیا کے لوگ، عام لوگ ابھی تک اس کے لیے اجنبی اور غیر تھے۔ اسی طرح جیسے سدھارتھ اُن کے لیے۔

سال پر سال گزرتے گئے۔ چہار سمت مسرت و آسائش سے گھرے سدھارتھ کو وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔ اب وہ ایک دولت مند شخص تھا۔ شہر سے کچھ دور ندی کے کنارے اس نے اپنا ایک محل اور ایک باغیچہ بنا لیا تھا۔ جہاں نوکر چاکر بھی تھے۔ لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ پیسوں اور مشوروں کی ضرورت ہونے پر اس کے پاس آتے تھے۔ مگر اب بھی کملا کو چھوڑ کر اس کی کسی سے گہری دوستی نہیں تھی۔

نوجوانی میں گوتم کے درس اور گووندا کا ساتھ چھوڑنے کے بعد جو خیالی دنیا اس نے اپنے اندر بنائی تھی وہ بغیر معلم اور بغیر اصولوں کے اکیلے چل پڑنے اور اپنے ضمیر کی آواز سننے کی باتیں آہستہ آہستہ دھند میں چھپ گئیں، محض ایک یاد ہو کر رہ گئیں، اور پھر کھو گئیں۔ پہلے اس کے بالکل قریب رواں ایک مقدس آبشار تھا، جس کی موسیقیت وہ اپنی داخلی دنیا میں محسوس کرتا رہتا تھا۔ لیکن اب اس کی خوشگوار آواز کہیں دور سنائی دیتی تھی۔ پھر بھی شرونوں سے، گوتم سے، اپنے باپ سے اور برہمنوں سے سیکھی ہوئی کئی باتیں آج بھی اس کے پاس تھیں۔ متوازن زندگی، غور و فکر اور استغراق کی مسرت، آتما کا پراسرار علم، جو نہ جسم ہے نہ شعور، ان میں سے کئی اس کے ساتھ تھیں کچھ کہیں ڈوب گئی تھیں۔ ان پر دھول جم گئی تھی۔ جیسے کمہار کا چاک ایک بار گھما دینے پر گھومتا رہتا ہے، پھر آہستہ آہستہ رک جاتا ہے۔ اسی طرح عبادات کا، غور و فکر کا، شعور کا یہ

چکر سدھارتھ کے اندر کافی عرصے تک چلتا رہا۔ وہ اب بھی چل رہا تھا۔ لیکن آہستہ رک رک کر چل رہا تھا بلکہ تقریباً رک گیا تھا۔ جیسے کسی ٹھونٹھ پر نمی جمنا شروع ہوتی ہے اور دھیرے دھیرے اسے سڑاتی رہتی ہے۔ اسی طرح دنیا اور اس کی بے عملی سدھارتھ میں داخل ہو گئی۔ اس کی آتما پر پھیل گئی۔ جس نے اسے بوجھل بنا دیا۔ تھکا دیا اور سلا دیا۔ لیکن دوسری طرف سدھارتھ کے احساسات چوکنا ہو گئے۔ اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا، بہت کچھ جان گیا تھا۔

سدھارتھ کاروبار میں ماہر ہو گیا تھا۔ لوگوں کو کیسے متاثر کیا جاتا ہے۔ عورتوں سے کس طرح لذت حاصل کی جاسکتی ہے، وہ سب سیکھ گیا تھا۔ ریشمی لباس پہننا، خادموں سے کام لینا، خوشبودار پانی سے غسل کرنا بھی وہ سیکھ گیا تھا۔ وہ سلیقے سے پکا ہوا لذیذ کھانا اور گوشت، مچھلی، مرغ، مسالے اور پکوان کھانا سیکھ گیا تھا۔ وہ پانسہ اور شطرنج کھیلنا، ناچ دیکھنا، پالکی پر چلنا اور نرم بستر پر سونا بھی سیکھ گیا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ اپنے کو دوسروں سے مختلف اور بلند تصور کرتا تھا۔ اس کے دل میں دوسروں کے لیے توہین آمیز، مذاق اڑاتی ہوئی بے عملی کا جذبہ بیدار ہوتا تھا۔ جیسے شرنوں میں دنیا کے لیے رہتا ہے۔

کبھی کبھی کام سوامی پریشان ہوتا، یا کچھ ذلت محسوس کرتا یا کاروبار میں آنے والی رکاوٹوں سے پریشان ہوتا تو سدھارتھ اس کا مذاق اڑانے لگتا۔ لیکن وقت کے ساتھ طنز کا جذبہ، بلندی کا احساس رفتہ رفتہ مر گیا۔ جیسے جیسے دولت میں اضافہ ہوا، عام لوگوں کی کچھ عادتیں، ان کا بچکانہ پن، ان کی کچھ فکریں سدھارتھ میں داخل ہو گئیں۔ پھر بھی ان سے اسے جلن ہوتی رہی اور جیسے جیسے وہ اُن جیسا بنتا گیا یہ جلن بڑھتی رہی۔ جلن اس لیے کہ ان کے پاس ایک ایسی چیز تھی جو سدھارتھ کے پاس نہیں تھی۔ ان کو اپنی زندگی اہمیت کی حامل اور بامعنی لگتی تھی۔ ان کے سکھ دکھ میں گہرائی تھی اور وہ پورے تجس اور گہرائی سے پیار کر سکتے تھے۔ وہ لوگ ہمیشہ اپنے آپ سے، اپنی اولاد سے، اپنی عزت اور دولت سے، اپنی امیدوں اور منصوبوں سے محبت کرتے تھے۔

یہ چیزیں وہ نہ سیکھ سکا۔ بچوں جیسی مسرتیں اور بے وقوفیاں وہ نہ سیکھ سکا۔ اس نے وہ چیزیں ان سے سیکھیں جو اسے ناپسند تھیں۔ جنھیں وہ حقیر سمجھتا تھا۔ اکثر یہ ہوتا کہ رات گئے تک رنگ و مستی کے بعد وہ سونے جاتا اور دوسرے دن دن چڑھے اٹھتا، اور پھر دن بھر ست اور تھکا ہوا محسوس کرتا۔ کام سوامی اپنے تفکرات اس کے سامنے رکھتا تو اسے چڑ اور بے چینی ہونے لگتی۔ جوئے میں بہت سی دولت ہار جانے پر بھی وہ ہنستا رہتا۔ حالانکہ اس کے چہرے پر اب بھی دوسروں کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ عقل مندی جھلکتی تھی۔ لیکن اس کی سادہ ہنسی غائب ہو گئی تھی۔ پھر ایک

وقت آیا۔ جب اس کے چہرے پر کاہلی اور بے عملی کے وہ نشانات واضح ہونے لگے جو عام طور سے امیروں میں پائے جاتے ہیں۔ امیری کی دھن دھیرے دھیرے اس کی آتما کو بھی کھوکھلا کرنے لگی تھی۔

ایک پرت کی طرح، کہرے کی تہ کی طرح یہ تھکن سدھارتھ کے وجود پر چڑھتی گئی، اور ہر روز دولت مند، ہر مہینے سیاہ اور ہر سال وزنی ہوتی گئی۔ جیسے ایک نئی پوشاک وقت کے ساتھ ساتھ پرانی ہو جاتی ہے۔ اپنی چمک اور رنگت کھو دیتی ہے۔ اس پر دھبے اور سلوٹیں ابھر آتی ہیں۔ کنارے گھس جاتے ہیں اور وہ جگہ جگہ سے ادھڑنے لگتی ہے۔ اسی طرح سدھارتھ کی نئی زندگی، گووندا سے الگ ہونے کے بعد شروع ہونے والی یہ زندگی بھی پرانی پڑ گئی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے زندگی کا رنگ اڑتا گیا۔ چمک جاتی رہی۔ سلوٹیں اور داغ پڑتے گئے۔ سدھارتھ کو اس کا احساس تک نہیں ہوا۔ کہ وہ تیکھی اور واضح آواز جو اس کے اندر تھی اور اسے ٹھیک وقت پر راستہ دکھاتی تھی۔ اب خاموش ہو گئی ہے۔

دنیا نے اسے جکڑ لیا۔ عیاشی، لالچ، کاہلی اور گندی عادتیں، جو اس کی نظر میں قابل نفرت اور بیوقوفی تھیں۔ اس سے چپک گئیں۔ وہ دولت اور عشرت کے جال میں بری طرح پھنس چکا تھا۔ یہ چیزیں اب اس کے لیے کھیل تماشا کے بجائے بندھن اور بوجھ بن گئی تھیں۔ جوئے کی لت نے اسے مکمل زوال کے ایک عجیب اور پیچیدہ راستے پر ڈال دیا تھا۔ پہلے وہ جوا ایک رسم کے طور پر تفریح اور وقت گزاری کے لیے کھیلتا تھا۔ لیکن اب جب شرونوں کے بچے کھچے نشانات بھی مٹ گئے تو وہ دوگنے جوش کے ساتھ اس میں جٹ گیا۔ صرف دولت حاصل کرنے کے لیے۔ وہ جواری بن گیا۔ اس کے داؤں اتنے اونچے ہوتے تھے کہ اس سے کھیلنے کی ہمت بہت کم لوگوں میں ہوتی۔ جوا اب اس کی ضرورت بن گئی۔ ہار جانے اور دولت لٹانے میں اسے عجیب مسرت کا احساس ہوتا۔ دولت کے لیے، تاجروں کے اس دیوتا کے لیے، وہ اسی طرح اپنی نفرت کا اظہار کر سکتا تھا۔ اور اسی لیے وہ اونچے اونچے اور اندھادھند داؤں لگاتا۔ خود سے نفرت اور اپنا ہی مذاق اڑاتے ہوئے، اس نے ہزاروں جیتے، ہزاروں ہارے۔ دولت گنوائی، جواہرات گنوائے، ایک مکان گنوایا۔ پھر جیتے، پھر گنوادیا۔ پانسہ پھینکتے ہوئے اونچے داؤں لگانے کے ان متجسس لمحات کو اس بھیانک اور خطرناک تجسس کو وہ پیار کرتا تھا۔ وہ اس احساس کو پیار کرتا اور بار بار اس کی تجدید کرتا، بڑھاتا، تیز کرتا۔ کیونکہ یہی وہ لمحات تھے جب اسے اپنی تھکی ہوئی سرد اور پھیکی زندگی میں کچھ معنویت، مسرت اور جوش نظر آتا۔ ہر نئی ہار کے بعد وہ پھر سے دولت حاصل کرتا، کاروبار میں لگ جاتا۔ اپنے قرض داروں کو ڈرا دھمکا کر دولت حاصل کرتا۔ پھر سے داؤں لگانے کے لیے، اڑانے کے لیے اور پھر سے دولت کے لیے اپنی نفرت کا اظہار

کرنے کے لیے۔ کاروبار میں نقصان ہونے پر اب وہ بے چین ہو جاتا۔ قرض لوٹانے میں جو لوگ ڈھیل کرتے ان پر جھلا اٹھتا، بھکاریوں کے لیے بھی وہ اب رحم دل نہیں رہ گیا تھا۔ غریبوں کو خیرات دینے، اور قرض دینے کی خواہش بھی ختم ہو گئی۔ ہنستے ہنستے دس ہزار کی بازی لگا دینے والا یہ آدمی کاروبار میں سخت اور کمینہ ہو گیا تھا اور کبھی کبھی اسے رات میں خواب میں بھی دولت نظر آنے لگی تھی۔ جب جب اس قابل نفرت سحر سے نکل کر اپنی خواب گاہ کے آئینہ میں وہ اپنی صورت کو متواتر بوڑھا اور بھدا ہوتے دیکھتا، جب جب شرم اور اوب محسوس کرتا تب تب دوگنے جوش کے ساتھ وہ جوئے میں جٹ جاتا، قسمت کے کھیل میں ڈوب جاتا۔ عیش و عشرت کی طرف۔ شراب کی طرف دوڑ پڑتا۔ اور وہاں سے لوٹ کر پھر دولت کے حصول میں لگ جاتا۔ اس بیہودہ چکر میں وہ گھستا رہا۔ اور بوڑھا اور مریض ہوتا گیا۔

ایک دن وہ کملا کے ساتھ اپنے خوبصورت باغیچے میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ کملا سنجیدگی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کی تھکن اس کا غم جیسے الفاظ کے پیچھے چھپ گئے ہوں۔ کملا نے اس سے کہا کہ وہ اسے گوتم کے بارے میں بتائے۔ وہ سب کچھ جو وہ سن نہیں سکی۔ ان کی آنکھوں میں کتنی چمک تھی ان کا چہرہ کتنا پر سکون تھا۔ ان کی مسکراہٹ میں کتنی عظمت تھی۔ ان کا مکمل روپ کتنا مسرت بخش تھا۔ بدھ کے بارے میں وہ دیر تک کملا کو بتاتا رہا۔ اور آخر میں کملا نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ایک دن، شاید جلدی ہی میں بھی بدھ کی شرن میں چلی جاؤں گی۔ اپنا باغیچہ تمھیں سونپ کر خود بدھ کے درس میں پناہ لے لوں گی۔ لیکن یکایک کملا اس سے پوری قوت سے لپٹ گئی اور رو پڑی جیسے کہ وہ خشک ہوتی ہوئی محبت کا آخری قطرہ تک نچوڑ کر اپنی اندرونی آگ سرد کرنا چاہتی ہو۔ سدھارتھ کو اس سے پہلے کبھی ایسا تجربہ نہ ہوا تھا۔ پہلے کبھی ایسا عجیب اور واضح تجربہ نہیں ہوا تھا کہ موت کے ساتھ سارے جذبات کا کتنا سیدھا تعلق ہے۔ وہ کملا کے قریب لیٹا رہا۔ کملا کا چہرہ اسکے قریب اس کے بہت قریب تھا۔ اور اسے کملا کی آنکھوں کے نیچے اور منہ کے آس پاس غم اور ناامیدی کی لکیریں اور جھریاں صاف ابھری دکھائی دیں۔ اسے لگا کہ یہ پت جھڑ اور بڑھاپے کا نشان ہے۔ سدھارتھ بھی جو خود ابھی چالیس کا نہیں ہوا تھا۔ اپنے کالے بالوں میں کہیں کہیں سفید ہوتے بال دیکھتا تھا۔ کملا کے خوبصورت چہرے پر زندگی کی تھکن تھی۔ یہ اس راستے پر متواتر چلتے رہنے کی تھکن تھی جو کبھی مسرت بخش منزل تک نہ پہنچتا ہو۔ یہ تھکن بڑھاپے کی تھی جو قریب آرہا تھا۔ جو نہ پوری طرح پوشیدہ تھا نہ واضح۔ کملا کے چہرے پر ایک غیر واضح سا خوف تھا۔ زندگی کی خزاں کا خوف، قریب پہنچتے بڑھاپے کا خوف، موت کا خوف۔ سدھارتھ نے اندر ہی اندر ایک آہ بھری اور

دل میں تکلیف اور خوف چھپائے ہوئے کملا سے وداع لی۔

سدھارتھ نے وہ شام اپنے گھر پر شراب اور رقاصاؤں کے درمیان گزاری۔ وہ بڑی ہوشیاری سے اپنے ساتھیوں کو بتاتا رہا کہ وہ ان سے برتر ہے۔ جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ گئی رات تک اس نے بہت زیادہ شراب پی لی اور بری طرح تھک کر آنکھوں میں آنسوؤں کو سمیٹے ہوئے ناامیدی اور بدحواسی کا ایک عجیب سا جذبہ لیے ہوئے وہ سونے چلا گیا۔ اور سو جانے کی ناکامیاب کوشش کرتا رہا۔ اس کا دل درد سے بھر گیا تھا، اسے لگا کہ اب وہ زیادہ برداشت نہیں کر پائے گا۔ اس کا جی متلا رہا تھا۔ جیسے کوئی بدمزہ شراب پی لی ہو۔ یا سطحی قسم کی موسیقی سن لی ہو۔ یا رقاصاؤں کی مسکراہٹ بہت میٹھی لگی ہو یا ان کے سینوں اور بالوں سے نکلتی کسی بہت تیز عطر کی بو اس کی ناک میں گھس گئی ہو۔ لیکن اسے خود اپنے سے ہی ابکائی آرہی تھی۔ اپنے ہی بالوں میں لگے عطر سے، اپنے ہی منہ سے آرہی شراب کی بو سے، اپنے ہی ملائم اور پلپلے جسم سے اسے نفرت ہو رہی تھی۔ جیسے کوئی بہت زیادہ شراب پی کر یا بہت زیادہ کھا کر قے کر لینے کے بعد راحت محسوس کرتا ہے۔ ویسے ہی اس کی حالت تھی۔ اس نے سوچا کہ اب وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ ان خطرناک عادتوں سے دور رہے گا اس بے معنی زندگی سے چھٹکارا پالے گا۔ صبح باہر جب زندگی کی چہل پہل شروع ہوئی تو اس کی آنکھ لگی۔ ہوش اور نیند کے درمیان کے ان لمحات میں ایک خواب اس کی آنکھوں میں آیا۔

کملا نے سونے کے پنجرے میں ایک پیاری مینا پال رکھی تھی۔ سدھارتھ کو خواب میں یہ مینا نظر آئی۔ یہ پرندہ جو کہ اکثر صبح گاتا تھا، گونگا ہو گیا ہے۔ وہ پنجرے کے پاس گیا اور دیکھا تو مینا مر چکی ہے۔ اس کی اکڑی لاش پنجرے کے فرش پر پڑی تھی۔ سدھارتھ نے پنجرہ کھول کر اسے نکالا۔ ہاتھ میں لے کر اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر سڑک پر پھینک دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ بری طرح خوف زدہ ہو گیا ہے۔ اس نے درد محسوس کیا جیسے مرے ہوئے پرندے کے ساتھ اس نے اپنے اندر کا وہ سب بھی پھینک دیا ہے جو قیمتی اور اچھا تھا۔

نیند کھلی تو اداسی نے اسے گھیر لیا۔ اسے لگا کہ اس کی اب تک کی پوری زندگی بے معنی اور بے مقصد رہی۔ اور اس نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ جو زندہ ہو، قیمتی ہو، اور با معنی ہو۔ وہ اکیلا تھا۔ جہاز ڈوب جانے پر سمندر کے کنارے کھڑے تنہا انسان کی طرح۔

مغموم سدھارتھ باغ میں پہنچا۔ داخلی دروازہ بند کر کے وہ آم کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے دل میں خوف اور موت کا احساس کیا۔ پھر آہستہ آہستہ شعوری حالت

میں آیا تواس نے اب تک کی اپنی ساری زندگی کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ جو کچھ یاد کر سکتا تھا کیا۔ اب تک کی زندگی میں اسے کب حقیقی مسرت کا تجربہ ہوا تھا؟۔ انبساط کے لمحات کب کب آئے؟ کئی بار بچپن میں اسے مسرت کا احساس اس وقت ہوا تھا جب برہمن اس کی تعریف کرتے تھے۔ جب وہ اپنے ہم درس بچوں سے آگے نکل گیا تھا۔ منتروں کی ادائیگی میں کامل ہو گیا تھا۔ عالموں سے مباحثہ کرنا سیکھ گیا تھا۔ وہ جب یگیہ کرتا تھا، اس وقت اس کا دل کہتا تھا۔ تمھارے سامنے ایک راستہ ہے، جس پر چلنے کے لیے کوئی تمھیں بلا رہا ہے، دیوتا تمھارے انتظار میں ہیں، اور جب وہ اپنے نشانے کی تلاش میں اپنے ہی جیسے متجس لوگوں کے ساتھ شامل ہوا تھا، جب برہمنوں کی تعلیم سمجھنے کے لیے اسے محنت کرنی پڑی تھی، جب ہر نیا علم اسے ایک نئی تشنگی سے بھر دیتا تھا، اس وقت اپنی کوششوں کے درمیان، اس کے اندر سے آواز آئی تھی۔ ”بڑھتے رہو۔ آگے بڑھتے رہو، یہی تمھارا راستہ ہے“۔ یہ آواز اس نے اس وقت بھی سنی تھی جب وہ گھر چھوڑ کر شرون بنا تھا۔ پھر جب شرونوں کو چھوڑ کر بدھ کی شرن میں چلا گیا تھا اور جب ایک نامعلوم سفر کے لیے انھیں بھی الوداع کہا۔ اس آواز کو سنے ہوئے، کسی بلندی پر پہنچے کتنا عرصہ گزر گیا۔ اس کا راستہ کتنا غیر دلچسپ اور ویران رہا۔ بغیر کسی عظیم مقصد کے، بغیر کسی تشنگی کے، بغیر کسی بلندی کے، صرف کچھ حقیر خوشیوں میں کتنے لمبے لمبے سال اس نے گنوا دئے۔ پھر بھی اسے حقیقی سکون نہیں ملا۔ اس بات سے ناواقف رہ کر وہ دوسروں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ کبھی کبھی بالکل بچوں کی طرح بھی ترستا رہا، پھر بھی اس کی زندگی دوسروں سے زیادہ خستہ حال اور مغموم ہے۔ کیوں کہ دوسرں کے مقاصد، دوسروں کے دکھ، اس کے دکھ نہیں تھے۔ کام سوامی جیسے لوگوں کی دنیا اس کے لیے کھیل ناچ اور تماشے کی طرح تھی۔ جسے صرف تماشائی بن کر دیکھا جاسکتا ہے۔ صرف کملا اسے پسند تھی۔ اس کے لیے اہم بھی تھی۔ اور وہ اب بھی کچھ مفہوم رکھتی تھی۔ مگر کیا اسے اب بھی کملا کی ضرورت ہے؟ اور کملا کو بھی کیا اب اس کی ضرورت رہ گئی ہے؟ کیا وہ ایک نہ ختم ہونے والا کھیل نہیں کھیل رہے ہیں؟ کیا اس کے لیے زندہ رہنا ضروری ہے؟ نہیں یہ ایسا کھیل ہے جو شاید ایک بار، دوبار، دس بار خوشی سے کھیلا جاسکتا ہے۔ لیکن اسے لگاتار کھیلنے کا کوئی مفہوم نہیں، کوئی سکھ نہیں۔

اور اچانک سدھارتھ نے محسوس کیا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے اور وہ اب اسے زیادہ نہیں کھیل سکتا۔ جسم میں ایک لرزش ہوئی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کے اندر کوئی مر گیا ہے۔

دن بھر وہ آم کے درخت کے سائے میں بیٹھا رہا۔ اپنے باپ کے بارے میں، گووندا کے بارے میں اور بدھ کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا ان سب کو اس لیے چھوڑا تھا۔ کہ وہ

دوسرا کام سوامی بنے؟۔

رات آنے تک وہ وہیں بیٹھا رہا۔ ستاروں کی طرف تکتے ہوئے اس نے سوچا میں یہاں اپنے آم کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوں، اپنے باغ میں۔ وہ مسکرایا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اس کے پاس اپنا آم کا درخت اور اپنا ایک باغ ہو؟ کیا یہ ٹھیک تھا؟ کیا یہ حماقت نہیں تھی؟۔

اب اس کے لیے یہ ساری چیزیں ختم ہو گئی تھیں۔ یہ ساری چیزیں اس کے اندر مر گئی تھیں۔ اس نے آم کے پیڑ اور باغ سے وداع لی۔ دن بھر اس نے کچھ کھایا نہیں تھا۔ اسے زوروں سے بھوک محسوس ہوئی۔ پھر شہر میں اپنے محل کی، اپنے کمرے اور بستر کی، اپنے کھانے کی، اپنی بیٹھک کی یاد آئی۔ اس کے چہرے پر ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ ابھری، اس نے سر کو جنبش دی اور ان سب سے وداع لے لی۔ اسی رات سدھارتھ اپنے باغ اور شہر سے کوچ کر گیا اور پھر نہیں لوٹا۔ کام سوامی بہت دنوں تک اسے ڈھونڈھتا رہا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ کہیں ڈاکوؤں کے ہاتھ نہ پڑ گیا ہو۔ کملا نے اسے تلاش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ سدھارتھ کے چلے جانے کی بات سن کر بھی اسے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ کیا اس کے دل میں ایسا شک نہیں تھا؟ کیا وہ شرون نہیں تھا؟ بنا گھر بار کا مسافر؟ سدھارتھ سے اپنی آخری ملاقات کے وقت وہ پوری طرح سمجھ گئی تھی۔ اپنی ہی قیمت پر حاصل کیے گئے اس درد کے وقت اس آخری ملاقات کے وقت، کملا نے سدھارتھ سے جو ہم بستری کی تھی وہ اس سے مطمئن تھی۔

سدھارتھ کے شہر چھوڑنے کی خبر سن کر کملا کھڑکی کے پاس گئی۔ جہاں پنجرے میں مینا بند تھی۔ اس نے پنجرہ کھولا، چڑیا کو باہر نکالا اور اڑ جانے دیا۔ پھر چڑیا کو دور تک جاتے دیکھتی رہی۔ اس دن سے اس نے کسی کو اپنے یہاں نہیں آنے دیا۔ اپنے محل کا دروازہ اس نے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ کچھ وقت گزرنے پر اس نے محسوس کیا کہ سدھارتھ سے ہوئی آخری ملاقات کے سبب وہ حاملہ ہو گئی ہے۔



ندی کے کنارے

سدھارتھ شہر سے دور جنگل میں بھٹکتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اب واپس نہیں ہوگا۔ جس زندگی کو وہ برسوں سے جی رہا تھا اس کی لذت اسے شرمندہ کر رہی تھی۔ کملا کی مینا مر چکی تھی۔ وہ اس کا تصور کیا کرتا تھا۔ مگر اب اسے لگتا تھا کہ اس کا ضمیر مردہ ہو چکا تھا۔ وہ زندگی کے بھنور میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ اس نے چہار طرف سے موت اور ندامت کو دعوت دی تھی۔ ایک اسپنج کی طرح وہ گندگی کو اس وقت تک جذب کرتا گیا جب تک کہ وہ پوری طرح بھیگ نہ گیا۔ اب وہ پوری طرح مغموم اور موت کی آغوش میں تھا۔ اب دنیا کی کوئی چیز اسے اپنی طرح متوجہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسے مسرت اور تسلی نہیں دے سکتی تھی۔

سب کچھ بھول کر آرام کرنے اور جان دینے کی خواہش اس کے دل میں جاگ اٹھی۔ کاش بجلی کا ایک کوندا اسے چھو کر خاک کر دیتا۔ کاش ایک شیر آتا اور اسے نگل جاتا۔ کاش تھوڑی سی شراب ہوتی یا تھوڑا سا زہر جو اسے ایسی نیند سلا دیتا کہ وہ کبھی نہ اٹھتا۔ کیا اب بھی کوئی ایسی غلاظت بچی ہے جس میں وہ ملوث نہ ہوا ہو۔ کیا اب بھی کوئی گناہ اور حماقت ہے جو اس سے سرزد نہ ہوئی ہو۔ اس کی آتما پر کیا ایسا بھی کوئی داغ ہے جس کے لیے وہ خود ذمہ دار نہ ہو؟ کیا اب بھی جینا ممکن ہے؟ کیا اب بھی اس کے لیے تنفس، بھوک، اور خواب، کسی عورت کے ساتھ ہم آغوشی ممکن ہے۔ کیا اس کے لیے دائرۂ حیات تنگ نہیں ہو گیا؟

سدھارتھ جنگل میں ایک ندی کے کنارے پہنچا۔ یہ وہی ندی تھی جسے بہت پہلے ایک ملاح کی کشتی میں بیٹھ کر اس نے پار کیا تھا۔ جب وہ نوجوان تھا۔ اور گوتم کے پاس سے لوٹ رہا تھا۔ ندی کے کنارے پہنچ کر وہ غیر یقینی انداز میں کھڑا رہ گیا۔ وہ تھکن اور بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا۔ اور آگے وہ کیوں جائے؟ کہاں جائے؟ کس مقصد کے حصول کے لیے جائے؟ اس گمراہ کن خواب کو شکست کر دینے کی پر سوز خواہش کے سوا اب اس کے سامنے اور کوئی مقصد نہیں رہ گیا تھا۔

ندی کے کنارے ایک ناریل کا پیڑ تھا۔ سدھارتھ اس پر جھک گیا۔ اس نے کھردرے تنے پر چاروں طرف ہاتھ پھیرا اور اس کے نیچے بہتے پانی کی دھار کو دیکھتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے جی میں آیا کہ اپنے کو اس میں ڈبو دے۔ پانی کے ٹھنڈے سونے پن میں اس کی آتما کے خلا کی خوفناک پرچھائیں تیر رہی تھی۔ اب اس کے سامنے کوئی چارہ نہیں تھا۔ سوا اس کے کہ وہ اپنے وجود کو بھول جائے۔ اپنی ناکام زندگی کو مٹا دے۔ اب ایک ہی خواہش اس کے اندر رہ گئی تھی کہ وہ اپنے وجود کو ختم کر دے جس سے اسے نفرت ہو گئی تھی۔

اچھا ہو کہ اسے مچھلیاں کھالیں۔ اچھا ہو اگر اس کمینے سدھارتھ کو، اس دیوانہ، گمراہ اور جہنمی جسم کو، بے نور اور غیر ضروری وجود کو مگرمچھ نگل لیں۔ اچھا ہو اگر کوئی راکشس آکر اس کے ٹکڑے ٹکرے کر ڈالے۔

اپنے بدنما چہرے کے عکس کو وہ گھورتا رہا۔ پھر اس نے اس پر نفرت سے تھوک دیا۔ ناریل کے تنے سے اپنے ہاتھ ہٹایا۔ پھر تھوڑا مڑا تا کہ وہ سر کے بل گرے اور ندی کی تہ میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے۔ وہ آنکھیں بند کر کے موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہو گیا۔

تبھی اس کی آتما کے کسی گوشے سے، اس کی تھکی ہاری زندگی کے ماضی سے اسے ایک مدھم باریک آواز آتی سنائی دی، وہ ایک لفظ تھا، ایک حرف، جس کو بغیر سوچے اس نے دہرایا اور بدبدایا۔ برہمنوں کی عبادات کو مبتدا و منتہا۔ مقدس 'اوم' جس کے معنی تکمیل ہیں۔ اس لمحہ کانوں میں 'اوم' کی آواز پڑتے ہی اس کی خوابیدہ آتما بیدار ہو اٹھی۔ اس نے اپنے عمل کی حماقت کو پہچان لیا۔

اس نے دل ہی دل میں 'اوم' کی ادائیگی کی اور اپنے شعور میں 'برہم' کو محسوس کیا۔ حیات جاوید کو پہچانا۔ اسے وہ سب یاد آیا، جسے وہ بھول چکا تھا۔ جو فطری تھا۔ لیکن یہ لمحاتی تھا۔ صرف ایک جھلک۔ تھکن سے چور سدھارتھ ناریل کے پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا اور بار بار اوم کی ادائیگی کرتے ہوئے پیڑ کی جڑ کے سہارے گہری نیند سو گیا۔

جانے کتنے دنوں سے اسے ایسی نیند نہیں آئی تھی۔ خوب گہری۔ کئی گھنٹے بعد وہ جاگا۔ لگا جیسے اس درمیان دس برس گزر گئے ہوں۔ اسے پانی کی آواز، شیریں آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسے یہ بھی پتہ نہ رہا کہ وہ کہاں ہے اور کس لیے یہاں آیا ہے؟ اس کی نگاہ اوپر گئی تو پیڑوں کے اوپر نیلے آسمان کو دیکھ کر متعجب ہوا۔ اسے اچانک یاد آیا کہ وہ کہاں پر ہے اور کیوں آیا ہے؟ اس کے جی میں آیا کہ وہ اسی طرح نیچے چپ چاپ پڑا رہے۔ اسے اپنا ماضی ایک باریک پردے میں چھپا ہوا کہیں بہت دور، بہت ہی حقیر لگا۔ اسے صرف اتنا ہی احساس ہو رہا تھا کہ اس کی پچھلی زندگی ختم ہو گئی ہے۔ شعور

بیدار ہونے پر اسے لگا اس نے دوسرا جنم لیا ہے اس نے اپنے آپ کو ہلکا محسوس کیا۔ اس کی پچھلی زندگی مضمحل اور بے کار تھی اس نے اسے برباد کرنا چاہا تھا۔ لیکن ایک ندی کے ذریعہ اسے عرفان ذات حاصل ہوا تھا۔ ناریل کے پیڑ کے نیچے مقدس اوم کا جاپ کرتا ہوا وہ لیٹا تھا، پھر سو گیا تھا۔ اور جاگنے پر اس نے ایک نئے آدمی کی طرح اس جہان کو دیکھا تھا۔ اسے لگا کہ وہ نیند میں بھی اوم کا جاپ کرتا رہا، اوم کا خیال کرتا رہا۔ اوم میں ڈوبا، اسی بے نام آفاقی اوم میں داخل ہو گیا تھا۔

وہ کتنی عجیب نیند تھی۔ کبھی نیند نے اسے ایسی تازگی نہیں بخشی تھی۔ اتنا نیا پن نہیں دیا تھا۔ اتنا خوبصورت احساس نہیں دیا تھا۔ شاید وہ سچ مچ مر گیا تھا۔ شاید ڈوب گیا تھا اور دوسرے روپ میں پھر سے پیدا ہوا تھا۔ نہیں، اس نے اپنے کو پہچانا، اپنے ہاتھ اور پاؤں پہچانے۔ اس جگہ کو جہاں وہ لیٹا تھا۔ اور اندر کی آتما اور سدھارتھ کو پہچانا۔ لیکن یہ سدھارتھ تبدیل ہو چکا تھا۔ ایک دم نیا۔ وہ عجیب نیند میں سویا تھا۔ اور اب وہ غیر معمولی طور پر بیدار ہو چکا تھا۔ مسرور اور متجسس۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے سامنے زرد لباس پہنے ایک شخص کو دیکھا جس کا سر گھٹا ہوا تھا۔ وہ پیٹھ پھیر کر کسی مفکر کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ سدھارتھ اس آدمی کو دیکھتا رہا اور جب پہچان لیا کہ وہ گووندا ہے تو اس کی طرف سے نظریں پھیر لیں۔ وہی گووندا جو اس کے بچپن کا دوست تھا اور گوتم کی شرن میں چلا گیا تھا۔ سامنے بیٹھا تھا۔ گووندا ادھیڑ ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر وہی پرانے تاثرات تھے۔ تجسس، یقین، اور فکر۔ گووندا نے اس کی نگاہ کو محسوس کر کے اس کی طرف نظر گھمائی تو سدھارتھ کو لگا کہ گووندا نے اسے پہچانا نہیں۔ پھر بھی گووندا اسے بیدار دیکھ کر خوش ہوا۔ وہ اس کے جاگنے کے انتظار میں کافی دیر سے بیٹھا تھا۔ اگرچہ اس نے اسے پہچانا بھی نہیں تھا۔

"میں سو گیا تھا"۔ سدھارتھ نے کہا۔ "لیکن آپ یہاں کیسے آئے؟"

"ہاں آپ سو گئے تھے"۔ گووندا نے جواب دیا "اور ایسی جگہ سونا مناسب نہیں ہے جہاں سانپ اور جانور شکار کی تلاش میں رہتے ہیں۔ میں گوتم کے معتقدین میں سے ایک ہوں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر جا رہا ہوں۔ میں نے آپ کو ایک خطرناک جگہ پر سوئے دیکھ کر آپ کو جگانے کی کوشش کی۔ جب دیکھا کہ آپ گہری نیند میں ہیں تو میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر رک گیا اور آپ کے پاس بیٹھا رہا۔ لیکن لگتا ہے کہ میں خود بھی سو گیا۔ زیادہ تھکن کی وجہ سے آپ کی دیکھ بھال ٹھیک سے نہیں کر سکا۔ لیکن اب آپ جاگ چکے ہیں۔ مجھے چل دینا چاہئے۔ تاکہ آگے بڑھ کر اپنے ساتھیوں کو پکڑ سکوں"۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں شرمن، گوتم بدھ کے معتقدین واقعی رحم دل ہیں۔ اب آپ

اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہیں''۔

''میں جارہا ہوں، تمھارا بھلا ہو''۔ گووندا نے جھک کر کہا۔ ''الوداع''۔

''وداع گووندا''، سدھارتھ بولا۔

بھکشو متعجب کھڑا رہ گیا۔ ''معاف کیجئے جناب، آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں''؟

اس پر سدھارتھ ہنس پڑا۔

''میں تمھیں جانتا ہوں گووندا، تمھارے گھر سے، تمھارے مدرسہ سے، جب تم یگیہ کرتے تھے، جب ہم شرونوں کے ساتھ تھے۔ اور اس لمحے سے بھی جب تم نے جیت وَن میں بدھ کے شاگرد بننے کا فیصلہ کیا تھا''۔

''تو تم سدھارتھ ہو''، گووندا چلایا۔ ''لیکن معلوم نہیں کیوں تمھیں فوراً نہیں پہچان سکا۔ سدھارتھ، میں تم سے مل کر بے حد خوش ہوں''۔

''میں بھی۔ تم نے سوتے میں میری دیکھ بھال بھی کی تھی۔ میں تمھارا احسان مند ہوں۔ اگرچہ میری دیکھ بھال کی ضرورت تھی نہیں۔ تم کہاں جارہے تھے دوست''۔

''میں کہیں نہیں جارہا ہوں۔ برسات کے علاوہ بھکشو ہمیشہ سفر پر رہتے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے ہیں۔ اصولوں کے مطابق زندگی بتاتے ہیں۔ مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ بھیک مانگتے ہیں اور پھر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہا ہے۔ لیکن تم کہاں جارہے ہو سدھارتھ''؟

سدھارتھ نے کہا۔ ''میں بھی وہی کرتا ہوں جو تم کرتے ہو دوست۔ میں بھی کہیں نہیں جارہا ہوں، میں بھی مسافر ہوں سفر پر نکلا ہوں''۔

گووندا نے کہا ''تم کہتے ہو کہ سفر پر نکلے ہو۔ تو مان لیتا ہوں۔ لیکن معافی چاہتا ہوں سدھارتھ۔ تم ایک مسافر جیسے نظر نہیں آتے۔ تم بیش قیمت لباس میں ہو۔ تمھارے جوتے کسی شوقین جیسے ہیں۔ اور تمھارے بال خوشبو میں بسے ہیں۔ تم مسافر نہیں ہو، کسی شرون کے بال ایسے نہیں ہوسکتے''۔

''تم نے ٹھیک ہی دیکھا دوست۔ تم اپنی تیز نظروں سے سب کچھ دیکھ لیتے ہو۔ لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں بھی شرون ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ میں سفر پر نکلا ہوں، اور سچ بھی یہی ہے''۔

''تم سفر تو کررہے ہو''۔ گووندا نے کہا۔ ''لیکن ان کپڑوں میں اس طرح کے جوتوں

اور اس طرح کے بالوں میں شاید ہی کوئی سفر کرتا ہو۔ میں برسوں سے سفر پر ہوں لیکن کبھی ایسا مسافر نہیں دیکھا"۔

"مجھے تمھاری بات پر یقین ہے گووندا۔ لیکن تم آج اس طرح کے لباس اور جوتے پہنے ایک مسافر سے ضرور مل رہے ہو۔ یاد رکھو۔ گووندا۔ دکھائی دینے والی دنیا فانی ہے۔ ہمارے کپڑے اور بالوں کی تراش بھی فانی ہے۔ ہمارے جسم بھی فانی ہیں۔ میں امیروں کی طرح کپڑے پہنے ہوئے ہوں اس لیے کہ میں دولت مند رہ چکا ہوں۔ اور میرے بال دنیاوی اور شوقین لوگوں کی طرح اس لیے ہیں کہ میں بھی انھیں جیسا رہا ہوں"۔

"لیکن اب تم کیا ہو سدھارتھ"۔

"نہیں معلوم۔ اس بارے میں میں بھی اتنا ہی کم جانتا ہوں، جتنا کہ تم، میں تو صرف ایک مسافر ہوں۔ میں ایک دولت مند شخص تھا لیکن اب نہیں ہوں۔ اور نہیں جانتا کل میں کیا ہو جاؤں گا"۔

"کیا تم اپنی دولت گنوا چکے ہو"؟۔

"ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اسے گنوادیا ہے یا اس نے مجھے۔ اس دنیا کا چکر بڑی تیزی سے گھومتا ہے گووندا۔ آج وہ سدھارتھ کہاں ہے جو برہمن تھا؟ وہ سدھارتھ کہاں ہے جو شرون تھا؟ وہ سدھارتھ کہاں ہے جو دولت مند تھا؟ فانی چیزیں تیزی سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں گووندا تم جانتے ہی ہو"۔

کچھ دیر تک گووندا اپنی نوجوانی کے دوست کو شک کی نظر سے دیکھتا رہا۔ پھر اس جھک کر سلام کیا۔ جیسے ایک شخص اپنے سے بلند مرتبہ شخص کو کرتا ہے۔ اور پھر خاموشی سے چل پڑا۔

سدھارتھ مسکراتا ہوا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ اپنے معتبر اور عزیز دوست گووندا سے۔ اور اس لمحہ، عجیب نیند کے بعد، اس عظیم لمحہ جب اس میں اوم موجزن ہو چکا تھا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کہ وہ کسی شخص اور کسی چیز کو پیار نہ کرے۔ نیند میں یہی جادو تو ہوا تھا۔ اور اس میں اوم اسی لیے موجزن ہوا تھا۔ کہ وہ ہر ایک چیز سے محبت کرتا تھا۔ وہ ہر اس چیز سے محبت کرتا تھا جو اس کے آنکھوں کے سامنے تھی۔ یہی وہ بات تھی۔ جس کے نہ ہونے سے وہ پہلے بیمار رہتا تھا۔ کیوں کہ وہ کسی بھی شخص اور چیز سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔

مسکراتا ہوا سدھارتھ شرون کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ نیند نے جیسے اس میں ایک قوت بھر دی تھی۔ لیکن دو دن سے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے وہ بہت تیز بھوک محسوس کر رہا تھا۔ وہ دن

کب کے بیت گئے جب وہ بھوک کو روکتا تھا۔ اس نے ان دنوں کو یاد کیا جب اس نے کملا سے تین چیزوں پر دسترس کی شیخی بگھاری تھی۔ وہ تینوں غیر مفتوح فنون تھے۔ بھوکا رہنا، انتظار کرنا اور غور و فکر۔ یہی اس کی دولت تھی۔ اس کی طاقت اور قوت، اور اس کا سہارا بھی۔ اپنی نوجوانی اور حصول علم کے دنوں میں ان تین فنون کے علاوہ اس نے کچھ نہیں سیکھا تھا۔ مگر اب نہ اس کے پاس بھوکا رہنے کا فن تھا، نہ انتظار کرنے کی صلاحیت اور نہ غور و فکر کی عادت۔ اس نے انھیں حقیر چیزوں کے بدلے کھو دیا تھا۔ فانی چیزوں کے بدلے، جسمانی راحت کے، ٹھاٹ باٹ اور دولت کے بدلے گنوا دیا تھا۔ وہ ایک عجیب راستے پر چل پڑا تھا۔ وہ حقیقتاً ایک عام آدمی کی طرح ہو گیا تھا۔

سدھارتھ اپنی موجودہ حالت کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے سوچنے میں دشواری ہوئی۔ اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس نے بہ جبر سوچنا شروع کیا۔

اس نے سوچا فانی چیزیں پھر مجھ سے دور چلی گئی ہیں۔ میں ایک بار پھر آفتاب کے نیچے کھڑا ہوں۔ جیسے اس وقت کھڑا تھا جب بچہ تھا۔ میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں کچھ جانتا بھی نہیں ہوں۔ میں نے کچھ سیکھا بھی نہیں ہے یہ سب کتنا عجیب ہے۔ اب جب کہ میں جوان نہیں رہا۔ میرے بال سفید ہونے لگے ہیں اور قویٰ کمزور ہونے لگے ہیں۔ تو پھر میں بچوں کی سی معصوم زندگی کی ابتدا کر رہا ہوں۔ وہ مسکرایا۔ ہاں اس کا مقدر عجیب ہی تھا۔ وہ پیچھے کی طرف جا رہا تھا۔ اور اب پھر ایک خالی، عریاں اور اجنبی دنیا میں کھڑا تھا۔ لیکن اسے اس پر افسوس نہیں تھا۔ بالکل نہیں۔ اس کی ہنسنے کی خواہش ہوئی۔ اپنے آپ ہنسنے کی۔ اس عجیب اور بیوقوف دنیا پر ہنسنے کی۔

تمھارے ساتھ چیزیں بھی پیچھے کو جا رہی ہیں۔ اس نے خود سے کہا۔ اور یکایک اس کی نظر ندی پر پڑی۔ اسے ندی بھی پیچھے کی طرف بہتی محسوس ہوئی۔ مستی میں گنگناتی ہوئی۔ یہ اسے بہت اچھا لگا۔ وہ ندی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ کیا یہ وہ ندی نہیں تھی جس میں ایک بار اس نے خود کو غرق کر دینے کی بات سوچی تھی۔ شاید سینکڑوں برس قبل یا اس نے کوئی خواب دیکھا تھا۔

میری زندگی بھی کتنی عجیب ہے۔ اس نے سوچا۔ میں عجیب راہوں میں بھٹکتا رہا۔ میں جب بچہ تھا تو دیوتاؤں اور یگیوں کے زیر اثر تھا۔ جوان ہوا تو عبادات میں، غور و فکر اور استغراق میں لگا رہا، برہم کی تلاش میں رہا۔ آتما میں موجود غیر فانی وجود کی عبادت کرتا رہا۔ جب جوان تھا تو آتما کی صفائی کی طرف بھی راغب ہوا۔ جنگلوں میں رہا۔ گرمی اور سردی برداشت کی۔ بھوک پر عبور حاصل کیا۔ اپنے وجود پر فتح حاصل کی۔ پھر گوتم بدھ کی تعلیمات سنیں۔ علم و یقین کی وحدانیت کو اپنے اندر خون کی طرح رواں محسوس کیا۔ آخر میں بدھ اور ان کی عظیم تعلیمات سے دور بھاگا۔

میں گیا اور میں نے کملا سے محبت کی، مسرت حاصل کی۔ کام سوامی کا کاروبار سیکھا۔ دولت جمع کی۔ فضول خرچی کی۔ میں نے لذیذ کھانے کھائے۔ اعضائے جسم کو مشتعل کرنے کا فن سیکھا۔ عقل کو برباد ہونے، غور و فکر کی صلاحیت کو ختم کرنے اور چیزوں کی بے معنویت بھولنے کے لیے مجھے کئی برس لگے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آہستہ آہستہ نہ جانے کتنی تبدیلیوں سے گذرتا ہوا میں معصوم بچے میں تبدیل ہو گیا ہوں۔ پھر بھی یہ گمرہی غنیمت رہی۔ میرے اندر کی مینا مری نہیں۔ لیکن یہ کیسا راستہ تھا؟ مجھے اتنی حماقتوں، گناہوں، بھولوں، شرمناک اعمال، ناامیدی اور غموں میں صرف اس لیے جانا پڑا، کہ میں پھر سے بچہ بنوں اور نئی زندگی کا آغاز کروں۔ لیکن یہ اچھا ہی ہوا۔ اسی طرح ہی ہوتا ہے۔ میری آنکھیں اور دل یہی کہتے ہیں۔ مجھے ناامیدی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مجھے من کی گہرائیوں میں ڈوبنا پڑا۔ خودکشی کی بات سوچنی پڑی۔ تاکہ میں اس عظمت کو حاصل کر سکوں۔ پھر سے 'اوم' سن سکوں۔ گہری نیند سو سکوں اور نئی تازگی کے ساتھ بیدار ہو سکوں۔ مجھ سے آتما کی تلاش کے دوران کتنی حماقتیں سرزد ہوئیں۔ نئی زندگی کے لیے مجھے گناہوں میں ملوث ہونا پڑا۔ اب مجھے میرا راستہ کہاں لے جائے گا؟ یہ راستہ غیر دلچسپ ہے، دائرہ نما ہے لیکن یہ جیسا بھی ہے میں اسی پر بڑھتا رہوں گا۔

اسے ایک پراسرار سکون اور مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔

اس مسرت کا مخرج کیا ہے؟ اس نے خود سے دریافت کیا۔ اس خوشی کے احساس کی وجہ کیا ہے؟ یہ مجھے طویل نیند سے حاصل ہوئی ہے یا اوم کی ادائیگی سے؟ یا اس لیے کہ میں نے ماضی سے فرار حاصل کر لیا ہے اور کامیاب رہا ہوں۔ میں بالآخر پھر آزاد ہوں اور آسمان کے نیچے بچے کی طرح کھڑا ہوں۔ کتنی مسرت بخش تھی یہ پرواز۔ آزادی کی یہ اڑان وہ جگہ جہاں سے میں بھاگ نکلا ہوں، حسن، خوشبودار لذیذ پکوان اور بے عملی سے ملوث جگہ تھی۔ میں اس دولت سے، شرابیوں کے حلقے سے، تعیش کی اس دنیا سے کتنی نفرت کرتا تھا۔ اس بدشکل خوفناک دنیا میں اتنے طویل عرصے تک رہنے سے مجھے خود سے کتنی نفرت ہو گئی تھی۔ کتنی نفرت کی تھی میں نے اپنے آپ سے۔ میں خود ہی اپنا مخالف تھا۔ میں نے اپنے کو زہر دیا تھا اور تکلیف برداشت کی تھی۔ میں نے اپنے کو بوڑھا اور بدصورت بنا ڈالا۔ پھر ایسا کبھی نہیں سوچوں گا جیسا کہ میں نے اپنے بھولے پن میں سوچا تھا کہ سدھارتھ عقل مند ہے۔ لیکن ایک کام میں نے بہت اچھا کیا ہے، جس کی مجھے خوشی ہے۔ جس کی مجھے تعریف کرنی ہی چاہیے کہ میں نے اپنے آپ سے نفرت کرنے کے احساسات پر قابو حاصل کر لیا۔ اب میرا وجود قابل نفریں نہیں ہے۔ میں تمھاری تعریف کرتا ہوں سدھارتھ کہ برسوں تک

غلط راستے پر چلنے کے باوجود تم نے اچھے خیالات کو اپنا لیا ہے۔ تم نے کامیابی حاصل کی ہے کہ تم نے اپنے اندر کی مینا کا نغمہ پھر سن لیا ہے۔ اور اس کے اشارے پر چل بھی رہے ہو۔

اس طرح اس نے خود اپنی تعریف کی۔ اپنے آپ پر مسرت کا اظہار کیا۔ وہ بھوک سے پیٹ میں پیدا ہونے والی آواز سنتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ ماضی کے دکھوں، بد قسمتی کے ایک حصے کو اس نے اچھی طرح برت کر اسے منتشر کر دیا ہے۔ کیوں کہ اس نے انھیں مایوسی اور موت کی سرحد تک جیا ہے۔ لیکن اب سب کچھ ٹھیک ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا۔ مکمل بے معنویت اور مایوسی کا یہ لمحہ نہیں آتا۔ اور وہ لمحہ بھی جب وہ خودکشی کے ارادے سے ندی کے اوپر جھک گیا تھا۔ تو وہ کام سوامی کے ساتھ اب بھی طویل عرصے تک بنا رہ سکتا تھا۔ خوب دولت کماتا اور فضول خرچی کرتا، پیٹ بھرتا رہ سکتا تھا اور آتما کو تا لتار ہتا اور اس نرم اور خوبصورت دوزخ میں اور طویل عرصہ گزار سکتا تھا۔ یہ ناامیدی اور شرمندگی جو وہ جھیلتا رہا کبھی اسے گرفت میں نہیں لے سکی۔ اس کا ضمیر اور وہ شفاف آبشار اور آواز ابھی تک زندہ تھی۔ اور یہی بات تھی کہ وہ مسرور تھا۔ اسے ہنسی آرہی تھی اور سفید بالوں کے باوجود اس کا چہرہ منور تھا۔

ہر چیز کا تجربہ کرنا اچھی بات ہے، اس نے سوچا۔ جب میں بچہ تھا تو میں نے سیکھا تھا کہ دنیاوی عیش و عشرت اور دولت بے معنی ہے۔ میں یہ کافی عرصے سے جانتا تھا لیکن تجربہ اب ہوا۔ اب میں اس بات کو عقل سے نہیں بلکہ آنکھوں سے، دل سے اور پیٹ سے بھی جانتا ہوں۔ یہ اچھی بات ہے۔ کہ اب میں یہ حقیقت جانتا ہوں۔

وہ اپنی اس تبدیلی پر دیر تک غور کرتا رہا اور مسرت سے اپنے اندر کی مینا کی آواز سنتا رہا۔ اس کے اندر کا یہ پرندہ مر جاتا تو کیا وہ خود بھی ختم نہیں ہو جاتا۔ نہیں اس کے اندر کسی اور کی موت ہوئی ہے۔ کسی ایسی چیز کی جس کے مرجانے کا انتظار وہ ایک عرصے سے کر رہا تھا۔ کیا یہ وہی چیز نہیں تھی جسے برباد کرنے کی بات اس نے شرونوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی سوچی تھی؟ کیا یہ اس کی انا نہیں تھی۔ حقیر، مغرور انا۔ جس سے وہ برسوں سے لڑ رہا تھا۔ جس سے وہ بار بار مغلوب ہو جاتا تھا۔ جو بار بار ظاہر ہوتی تھی۔ جو اس کے مسرتیں چھینتی رہی اور اسے ڈراتی رہی۔ کیا یہ وہی چیز نہیں تھی جو اس ندی کے کنارے جنگل میں مری تھی۔ کیا یہ اسی چیز کی موت کا نتیجہ نہیں تھا کہ وہ اب معصوم تھا۔ یقین اور مسرت سے لبریز اور بے خوف۔

سدھارتھ کو اب لگنے لگا تھا کہ سنیاس کے زمانے میں وہ کیوں اس انا سے لڑنے میں ناکام رہا۔ اس علم کی زیادتی ہی رکاوٹ تھی۔ یگیہ، جسمانی مشقت، عملیات، مشقیں ہی بھاری

رکاوٹ تھیں۔ وہ مغرور تھا۔ وہ ہمیشہ ہی بہت ہوشیار اور متجسس رہتا تھا۔ دوسروں سے ہمیشہ ایک قدم آگے۔ ہمیشہ طالب علم اور صاحب نظر، ہمیشہ عابد اور مہاتما بنا پھرتا رہا۔ اس کی علمیت میں غرور، اس کی دانش مندی میں انا داخل ہو چکی تھی۔ وہ جم کر بیٹھ گئی تھی اور پھیل رہی تھی۔ اس وقت بھی جب وہ سوچتا تھا کہ وہ بھوکا رہ کے، صبر سے اسے برباد کر رہا ہے۔ اب وہ اس حقیقت سے واقف ہو گیا تھا۔ اور محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ضمیر کی آواز درست ہے۔ کوئی بھی معلم اسے نجات نہیں دلا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے سنسار میں داخل ہونا پڑا۔ طاقت، عورت اور دولت میں اپنی انا کو غرق کر دینا پڑا۔ اسے ایک تاجر بننا پڑا۔ جواری، شاطر شرابی۔ اور دولت مند آدمی بننا پڑا۔ جب تک کہ اس کے اندر بے پروہت اور شرون نہیں مر گئے۔ یہی وجہ تھی کہ اسے خوفناک تکلیفوں سے گذرنا پڑا۔ شرمندگی اٹھانی پڑی۔ دیوانگی کا سبق پڑھنا پڑا۔ خطرناک ناامیدی کی حد تک بے معنی زندگی گزارنی پڑی۔ تاکہ عیش، مسرت اور دولت کے تعاقب میں جانے والا سدھارتھ مر جائے۔ اب وہ مر چکا تھا اور ایک نیا سدھارتھ اپنی نیند سے جاگ گیا تھا۔ سدھارتھ جو جسم ہے، بوڑھا ہوگا اور مر جائے گا۔ مگر سدھارتھ جو آتما ہے غیر فانی ہے وہ نہیں مر سکتا۔

اس کے دماغ میں خیالات آ جا رہے تھے۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنے پیٹ کی آواز سنی۔ مسرور نگاہوں سے ندی کی طرف دیکھا۔ اسے کسی ندی نے اتنا متاثر نہیں کیا تھا۔ جتنا آج اس ندی نے کیا تھا۔ بہتے پانی کی آواز اور اس کی صورت کو اس نے پہلے کبھی بھی اتنا حسین نہیں پایا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے ندی اسے کوئی پیغام دے رہی ہو۔ کوئی خاص بات، جسے وہ نہیں جانتا تھا اور جس کی اسے ضرورت تھی۔ سدھارتھ نے اس میں اپنے آپ کو غرق کر دینا چاہا تھا۔ بوڑھا تھکا ہوا ناامید سدھارتھ اس میں ڈوب گیا تھا۔ نئے سدھارتھ کے من میں اس بہتے پانی کے لیے گہرا پیار تھا۔ اور اس نے طے کیا کہ وہ اب وہاں سے جلدی نہیں جائے گا۔



ملاح

اب میں اسی ندی کے کنارے رہوں گا سدھارتھ نے سوچا۔ یہ وہی ندی ہے جسے میں نے شہر جاتے ہوئے پار کیا تھا۔ ایک ملاح نے مجھے پار اتارا تھا۔ میں اسی کے پاس جاؤں گا۔ میری نئ راہ حیات جواب پرانی ہو چکی ہے ایک بار اسی کی جھونپڑی سے شروع ہوئی تھی۔ میری نئ زندگی بھی کیوں نہ یہیں سے شروع ہو۔

اس نے بہتے پانی کی طرف پیار سے دیکھا۔ اس کا رنگ سبزی مائل تھا۔ لہریں حسن پیدا کر رہی تھیں۔ تیر کر اوپر آتے حباب موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اور اس میں معکوس نیلا آسمان تیر رہا تھا۔ ندی اسے ہزاروں آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ سبز، سفید، آبی اور آسمان کی طرح نیلی ندی۔ وہ اس ندی سے کتنا پیار کرتا ہے۔ اس نے اسے کس طرح مسحور کیا تھا۔ وہ اس کا کتنا احسان مند تھا۔ اس نے اپنے دل کی اس نو بیدار آواز کو کہتے سنا۔ اس ندی کو پیار کرو۔ اسی کے پاس رک جاؤ۔ اس سے سیکھو، ہاں وہ اس سے سیکھنا چاہتا تھا۔ اس سے بہت کچھ سننا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ جس نے بھی اس ندی اور اس کے اسرار کو سمجھا ہو گا وہ بہت کچھ سمجھ گیا ہو گا۔ بے شمار اسرار، زندگی کے سارے اسرار اس کے سامنے عریاں ہو گئے ہوں گے۔

لیکن آج وہ صرف ایک راز سے واقف ہوا جس نے اس کی آتما کو باندھ لیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پانی مسلسل بہہ رہا تھا پھر بھی وہ وہیں ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ اسی طرح تھا۔ پھر بھی ہر لحہ نیا ہوتا تھا۔ اسے کون سمجھ سکا ہے؟ کون اس کا تصور کر سکتا ہے؟ اس سے پہلے وہ بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔ اسے صرف شک ہوا تھا۔ غیبی آواز کا ہلکا سا احساس۔

سدھارتھ کھڑا ہو گیا۔ بھوک کی تکلیف ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ وہ ندی کے کنارے بے چینی سے ٹہلتا رہا اور لہروں سے نکلتی آواز سنتا رہا۔

وہ گھاٹ پر پہنچا تو ناؤ وہاں تھی اور وہ ملاح بھی جس نے نوجوان شرون کو ایک بار پار اتارا

تھا، ناؤ میں کھڑا تھا۔ سدھارتھ نے اسے پہچان لیا۔ وہ کافی بوڑھا ہو گیا تھا۔

"کیا تم مجھے پار اتار دو گے؟" اس نے پوچھا۔ ملاح کو اس مہذب نظر آنے والے شخص کو تنہا اور پیدل آتے دیکھ کر تعجب ہوا۔ پھر ملاح نے اسے ناؤ پر بٹھایا اور پتوار چلانے لگا۔

"بھائی تم نے شاندار زندگی کا انتخاب کیا ہے" سدھارتھ نے کہا "ندی کے پاس رہنا اور اس پر روزانہ چلنا یقیناً مسرت بخش ہوگا"۔

ملاح مسکرایا۔ وہ دھیرے دھیرے پتوار چلاتا رہا۔

"یہ زندگی بہت ہی اچھی ہے۔ جیسا کہ آپ کہتے ہیں لیکن کیا ہر زندگی اور ہر کام اچھا نہیں ہے؟"

"ہو سکتا ہے لیکن تمھارے کام پر مجھے رشک آتا ہے"۔

"اوہ آپ اس سے بہت جلدی اوب جائیں گے۔ یہ زندگی شہری لوگوں کے بس کی نہیں ہے"۔

سدھارتھ ہنس پڑا۔ آج ایک بار پھر ان کپڑوں کی وجہ سے وہ مشکوک نگاہوں سے دیکھا گیا ہے۔ "کیا تم انھیں پہننا چاہو گے؟ سدھارتھ نے کہا۔ "میرے لیے یہ لباس اب پریشان کن ہے۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ ندی پار اتارنے کا معاوضہ دینے کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں"۔

"آپ مذاق کرتے ہیں"۔ ملاح ہنسا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں دوست۔ تم ایک بار پہلے بھی مجھے بغیر پیسے کے اتار چکے ہو۔ مہربانی کر کے اس بار بھی ویسا ہی کرو۔ اس کے بدلے میرے کپڑے لے لو"۔

"تو کیا آپ بنا کپڑے جائیں گے؟"۔

"آگے جانے کی میری خواہش نہیں ہے۔ میں چاہوں گا کہ تم مجھے کچھ پرانے کپڑے دے دو اور اپنے معاون کی حیثیت سے یہیں رہنے دو۔ یا نوکر کی حیثیت سے سہی۔ مگر مجھے ناؤ کھینا سیکھنا پڑے گا"۔

ملاح اجنبی سدھارتھ کو کافی دیر تک غور سے دیکھتا رہا۔

"میں تمھیں پہچان گیا"۔ اس نے آخر میں کہا۔ "تم ایک بار میری جھونپڑی میں سوئے بھی ہو۔ بہت پہلے کی بات ہے۔ بیس برس سے بھی پہلے کی ہو سکتی ہے۔ میں نے تمھیں ندی پار کرائی تھی اور دوست بننے کے بعد ہم ایک دوسرے سے وداع ہوئے تھے کیا اس وقت تم شرمن

نہیں تھے؟ مگر مجھے تمھارا نام یاد نہیں آرہا ہے"۔
"میرا نام سدھارتھ ہے اور یہ سچ ہے کہ پچھلی بار جب تم نے مجھے دیکھا تھا تو میں شرون تھا"۔

"تمھارا استقبال ہے سدھارتھ۔ میرا نام واسودیو ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آج تم میرے مہمان کی حیثیت سے رہو گے اور میری جھونپڑی میں سوؤ گے اور مجھے یہ بھی بتاؤں گے کہ آج تم کہاں سے آرہے ہو؟ اور اپنے خوبصورت لباس سے کیوں بیزار ہو؟"

وہ ندی کے درمیانی حصے میں تھے۔ واسودیو ناؤ کو جلدی جلدی کھے رہا تھا۔ کیونکہ بہاؤ تیز تھا۔ وہ اپنے طاقتور بازوؤں سے پتوار چلا رہا تھا۔ اور اس کی آنکھیں ناؤ کے ایک سرے پر ٹکی تھیں۔

سدھارتھ یاد کرنے لگا کہ اس وقت وہ شرون تھا۔ اس کے من میں اس شخص کے لیے کتنا پیار امڑا تھا۔ اس نے واسودیو کی دعوت کو احسان مندی کے احساس کے ساتھ قبول کیا تھا۔

جب وہ ندی کے کنارے پہنچے تو اس نے ناؤ کو باندھنے میں واسودیو کی مدد کی۔ پھر واسودیو اسے اپنی جھونپڑی میں لے گیا۔ اسے کھانا کھلایا اور پانی پلایا۔ پھر میٹھے آم کھلائے۔

بعد میں جب سورج غروب ہونے لگا تو وہ دونوں ندی کے کنارے ایک درخت سے ٹک کر بیٹھ گئے اور سدھارتھ نے اسے اپنی زندگی کے حالات سنائے اور یہ بھی بتایا کہ آج اس نے اپنے آپ کو مایوسی کے اس لمحے کے بعد کیسے تبدیل ہوتے دیکھا۔ اس کی کہانی رات دیر تک چلتی رہی۔

واسودیو غور سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے اس کی جائے پیدائش اور بچپن کے بارے میں، اس کے حصول علم، تلاش، عیش و عشرت اور ضرورتوں کے بارے میں سب کچھ سنا۔ ملاح کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اسے اطمینان سے سننا آتا تھا۔ اور یہ خوبی بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ اس کے ایک لفظ نہ بولنے پر بھی سدھارتھ نے یہ محسوس کیا کہ واسودیو اس کا ایک ایک لفظ غور سے سنتا رہا ہے۔ خاموشی اور تجسس سے۔ اس نے نہ کچھ کہنے کی جلد بازی دکھائی، نہ تعریف کی، نہ خامی نکالی۔ صرف سنتا رہا۔ سدھارتھ نے محسوس کیا کہ ایسا سامع ملنا کتنا عجیب اتفاق ہے جو اس کی زندگی، کاوشوں، اور دکھوں میں اپنے کو ویسے ہی ڈبو سکے جیسے کہ واسودیو۔

سدھارتھ نے جب اپنی کہانی کے آخر میں ندی کنارے کے درخت اور اپنی مایوسی اور مقدس اوم کے بارے میں بتایا۔ اور یہ کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس کے دل میں ندی کے لیے کس طرح پیار امڑا۔ تو ملاح دوگنے غور سے اس کی باتیں سننے لگا۔ بالکل ڈوب کر۔ آنکھیں بند کیے۔

سدھارتھ کی کہانی ختم ہونے کے بعد ایک طویل خاموشی چھا گئی تو واسودیو نے کہا۔

"جو میں سوچتا تھا۔ ٹھیک وہی بات نکلی۔ ندی ہی نے تم سے وہ بات کہی تھی۔ یہ تم سے بھی ہمدردی رکھتی ہے، یہ تم سے گفتگو کرتی ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ بہت ہی اچھی۔ سدھارتھ میرے ساتھ ٹھہر جاؤ دوست۔ جب میری بیوی زندہ تھی اس کا بستر میرے پاس ہی ہوتا تھا۔ وہ بہت پہلے چل بسی۔ آؤ میرے ساتھ رہو۔ یہاں ہم دونوں کے لیے جگہ بھی ہے اور کھانا بھی"۔

"میں ممنون ہوں"۔ سدھارتھ نے کہا۔ "میں احسان مندی کے احساس کے ساتھ تمھاری دعوت قبول کرتا ہوں۔ اتنی غور سے میری باتیں سننے کے لیے بھی میں تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ واسودیو بہت کم لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ کیسے سنا جاتا ہے؟ اور میں نے اب تک تمھارے سوا کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔ جو اس طرح سن سکتا ہو۔ یہ چیز میں تم سے سیکھوں گا"۔

"تم سیکھ جاؤ گے"۔ واسودیو نے کہا۔ "لیکن مجھ سے۔ نہیں ندی سے ندی نے مجھے سننا سکھایا۔ تم بھی اسی سے سیکھو گے۔ ندی سب کچھ جانتی ہے۔ انسان اس سے سب کچھ سیکھ سکتا ہے۔ تم ندی سے یہ سیکھ ہی چکے ہو کہ نیچے سے ہی کوشش شروع کرنی چاہیے۔ ڈوب کر گہرائی حاصل کرنی چاہیے۔ دولت مند اور باعزت سدھارتھ ایک ملاح بنے گا، عالم برہمن ایک کیوٹ بنے گا یہ بھی تم نے ندی سے ہی سیکھا ہے۔ تم دوسری چیزیں بھی سیکھو گے"۔

ایک طویل خاموشی کے بعد سدھارتھ نے کہا۔ "دوسری کون سی چیزیں واسودیو؟"

واسودیو اٹھا۔ "رات کافی گزر چکی ہے"۔ اس نے کہا۔ "اب ہمیں سو جانا چاہیے۔ میں تمھیں بتا نہیں سکتا کہ دوسری چیزیں کیا ہیں؟ تم خود جان لوگے۔ شاید پہلے ہی سے جانتے ہو۔ میں کوئی عالم نہیں ہوں۔ اگر میں بول سکتا اور تقریر کر سکتا تو میں شاید ایک معلم ہوتا۔ لیکن میں صرف ایک ملاح ہوں۔ میرا کام لوگوں کو ندی پار کرانا ہے۔ میں ہزاروں لوگوں کو پار اتار چکا ہوں۔ ان سب کے سفر میں صرف یہ ندی حائل تھی۔ وہ دولت اور کاروبار، شادی اور سفر کے لیے نکلتے ہیں۔ ان کے راستے میں ندی پڑی اور ان کو پار اتار کر اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے یہاں ایک ملاح ہے۔ پھر بھی ان ہزاروں میں سے تھوڑے ہی لوگ تھے، چار یا پانچ جن کے لیے ندی رکاوٹ نہیں تھی۔ انھوں نے اس کی آواز سنی غور سے سنی۔ ندی ان کے لیے مقدس تھی۔ جس طرح میرے لیے ہے۔ سدھارتھ اب چلو چل کر سو جائیں"۔

سدھارتھ ملاح کے یہاں ٹھہر گیا اور جلد ہی ناؤ کی دیکھ بھال کرنا سیکھ گیا۔ جب ناؤ پر کوئی کام نہ ہوتا تو وہ واسودیو کے ساتھ دھان کے کھیتوں میں کام کرتا، لکڑی چنتا اور کیلے توڑ لاتا۔ اس نے پتوار بنانا سیکھا۔ ناؤ کی مرمت کرنا اور ٹوکری بنانا بھی سیکھا۔ وہ اپنے کام سے اور جو کچھ بھی

سیکھتا تھا، اس سے خوش رہتا۔ اس طرح دن اور مہینے بیتنے لگے۔ لیکن واسودیوا سے جو کچھ سکھا سکتا تھا۔ اس سے زیادہ اس نے ندی سیکھا وہ اس سے مسلسل سیکھتا رہا۔ سب سے اچھی بات جو اس نے سیکھی وہ توجہ اور انتظار کے ساتھ، کھلی آتما سے، بغیر جوش کے، بغیر خواہش کے، بغیر فیصلے کے، بغیر اجازت کے ندی کو سننا تھا۔

وہ واسودیو کے ساتھ ہی رہا۔ کبھی کبھی وہ بات چیت بھی کرتے۔ طویل غور و فکر کے بعد تھوڑی سی بات چیت۔ واسودیو کو الفاظ سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ سدھارتھ اسے بات چیت کے لیے کم ہی تیار کر پاتا تھا۔

ایک بار اس نے اس سے پوچھا۔ "کیا ندی سے تم نے یہ راز بھی سیکھا کہ وقت جیسی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے؟"

واسودیو کے چہرے پر ایک پر جوش مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں سدھارتھ" اس نے کہا "کیا تم بھی یہی سوچتے ہو۔ کہ ندی ایک ہی وقت میں ہر جگہ موجود ہے۔ مخرج پر بھی اور سنگم پر بھی۔ آبشار میں، گھاٹ پر، سمندر میں، پہاڑ پر ہر جگہ۔ اس کے لیے صرف حال ہی کا وجود ہے۔ نہ ماضی کا، نہ مستقبل کا"۔

"بالکل ٹھیک" سدھارتھ نے کہا۔ "اور جب میں یہ جان گیا تو میں نے زندگی پر اور غور کیا۔ اور پایا کہ وہ بھی بالکل ندی کی طرح ہے۔ بچہ سدھارتھ، جوان سدھارتھ، بوڑھا سدھارتھ۔ صرف سایہ ایک دوسرے مختلف ہے، حقیقتاً نہیں۔ سدھارتھ کی ماقبل زندگی بھی ماضی نہیں۔ موت اور برہم میں اس کی واپسی مستقبل نہیں۔ سب حال ہے ہر چیز حق ہے اور ہر وقت موجود ہے"۔

یہ سب کہتے ہوئے سدھارتھ بہت خوش تھا۔ اس کی اس کھوج نے اسے مسرور کر دیا تھا۔ کیا سارے غموں کا سبب وقت نہیں ہے۔ کیا دنیا میں وقت پر فتح حاصل کر کے ساری رکاوٹوں اور برائیوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا؟"

وہ بہت جوش میں بول رہا تھا لیکن واسودیو نے صرف ایک شفاف مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرح دیکھا۔ اور پھر اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اپنے کام پر لوٹ گیا۔

اور ایک بار جب برسات میں ندی طغیانی پر تھی اور گرج دار لہریں اٹھ رہی تھیں۔ سدھارتھ نے پوچھا۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے میرے دوست کہ ندی کی بے شمار آوازیں ہوتی ہیں۔ کیا اس کی آوازیں بادشاہ، سپاہی، بیل، الو، حاملہ عورت، آہ بھرتے آدمی اور کئی دوسری آوازوں سے مشابہ نہیں ہیں؟"

"ہوتی ہیں"۔ واسودیو نے ہاں میں سر ہلایا۔ "اس کی آواز میں سبھی جاندار لوگوں کی آواز پوشیدہ ہوتی ہے"۔

"اور کیا تم جانتے ہو"۔ سدھارتھ نے بات جاری رکھی "کہ یہ اس وقت کس لفظ کی ادائیگی کرتی ہے، جب کوئی شخص اس کی دس ہزار آوازوں کو ایک ساتھ سننے میں کامیابی حاصل کر سکے؟"

واسودیو خوش ہو کر ہنسا۔ وہ سدھارتھ کی طرف جھکا اور سرگوشی کی۔ مقدس اوم۔ ٹھیک یہی لفظ تھا جو سدھارتھ نے سنا تھا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ اس کی مسکراہٹ ملاح کی مسکراہٹ کی طرح شفاف لگنے لگی۔ اسی طرح روشن، اسی طرح نرم، اسی طرح ہزاروں جھریوں میں اڈتی ہوئی، اسی طرح معصوم، اسی طرح عمر رسیدگی کے تجربات سے پر۔ بہت سے مسافر دونوں ملاحوں کو ساتھ دیکھ کر یہ سمجھتے تھے کہ یہ دونوں بھائی ہیں۔ ندی کے کنارے اکثر وہ شام کو ایک درخت کے تنے پر بیٹھا کرتے تھے۔ دونوں ہی خاموشی سے ندی کو سنتے تھے۔ جوان کے لیے صرف پانی کی آواز نہیں تھی بلکہ نوید حیات تھی۔ وجود میں داخلے اور مسلسل تازگی کے احساس کی آواز تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ ندی کی آواز سنتے ہوئے ایک ہی جیسی باتیں سوچتے۔ شاید پچھلے دنوں کی کوئی بات، یا اپنی قسمت اور حالت سے پریشان کسی مسافر کی بات، یا موت اور بچپن کی بات۔ ندی جب دونوں کو ایک ہی وقت اچھی بات بتاتی تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے۔ دونوں ایک ہی بات سوچتے ہوئے ایک ہی سوال کے ایک ہی جواب پر خوش ہوتے۔

بہت سے مسافروں کو لگتا کہ ناؤ سے اور اس میں بیٹھے دونوں ملاحوں کے چہرے سے روشنی پھوٹتی رہتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی مسافر ملاحوں میں سے کسی ایک کو دیکھ کر اپنی زندگی اور پریشانیوں کے بارے میں بتانا شروع کر دیتا۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے لگتا۔ اور ان سے تسلی اور مشورہ دینے کی خواہش کرتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی مسافر رات کو ان کے ساتھ ٹھہرنے کی اجازت مانگتا تاکہ وہ بھی ندی کی آواز سن سکے۔ کبھی کبھی متجسس لوگ یہ سن کر کہ دو مہاتما گھاٹ پر رہتے ہیں، درس حاصل کرنے آجاتے۔ متجسس لوگ کئی سوالات کرتے۔ لیکن انھیں کوئی جواب نہ ملتا۔ نہ ساحر ملتے، نہ دانشور۔ وہ صرف دو اچھے مزاج کے بوڑھوں کو وہاں پاتے جو بیشتر خاموش رہتے اور دیکھنے میں گنوار لگتے۔ متجسس لوگ ہنستے اور کہتے کہ وہ لوگ کتنے بے وقوف اور اندھے ہیں جو ایسی افواہیں پھیلاتے ہیں۔

سال گزرتے گئے کسی نے کوئی گنتی نہیں کی۔ ایک دن گوتم بدھ کا ایک معتقد آیا اور اس

نے ملاحوں سے درخواست کی کہ وہ اسے جلد از جلد ندی پار کروادیں۔ ملاحوں کو اس سے معلوم ہوا کہ وہ بدھ کے پاس جارہا ہے۔ اور جلدی پہنچنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ گوتم کے سخت بیمار ہونے کی خبر ہے۔ اور جلد ہی وہ دنیائے فانی سے رخصت ہو کر نجات حاصل کریں گے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد سادھوؤں کی ایک اور ٹکڑی آئی۔ اور پھر تیسری بھی۔ یہ سب بدھ کے علاوہ کسی کی بات نہ کرتے تھے۔ لوگ جیسے جنگ اور تاج پوشی کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں اسی طرح وہ شہد کی مکھیوں کی طرح غول در غول وہاں جمع ہو رہے تھے، جہاں بدھ بستر مرگ پر پڑے تھے۔ جہاں ایک عظیم حادثہ ہو رہا تھا اور جہاں ایک زمانے کا نجات دہندہ حق میں روپوش ہونے جارہا تھا۔

سدھارتھ نے اس وقت اس سنیاسی کے بارے میں بہت کچھ سوچا۔ اس کی آواز نے ہزاروں کی آتما کو متحرک کیا تھا۔ اس کی آواز وہ بھی ایک بار سن چکا تھا۔ اور اس کی صورت وہ بھی ایک بار دیکھ چکا تھا۔ اس نے انھیں یاد کیا، ان کی بتائی ہوئی راہ نجات کو یاد کیا اور مسکرا کر وہ الفاظ یاد کئے جو اس نے نوجوانی میں بدھ سے کہے تھے۔ اسے لگا کہ وہ بچکانے الفاظ تھے۔ ایک عرصے تک اسے یہ محسوس ہوتا رہا۔ کہ وہ گوتم سے مختلف نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ان کی تعلیمات سے انکار کرتا تھا۔ ایک سچا متلاشی کسی بھی درس کو قبول نہیں کر سکتا۔ اگر وہ سنجیدگی سے کچھ تلاش کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ جو کچھ پالیتا ہے۔ اس کے ہر راستے، ہر مقصد کو قبولیت دے سکتا ہے۔ اسے اس سے جو پرماتما ہے اور عظمت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ کوئی چیز الگ نہیں کر سکتی۔

ایک دن جب قریب المرگ بدھ کی زیارت کو بے شمار مسافر جارہے تھے تو اپنے وقت کی خوبصورت ترین طوائف کملا بھی ان میں نظر آئی۔ وہ اپنے ماضی سے سنیاس لے چکی تھی اور اپنا باغ گوتم کے معتقدین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ بدھ کی شرن میں چلی گئی تھی۔ اور مسافروں کی خدمت کرنے والی عورتوں میں سے ایک تھی۔ گوتم کی بیماری کی خبر سن کر وہ پیدل ہی، سادے لباس میں اپنے بچے کو ساتھ لیے جارہی تھی۔ اپنے اس سفر میں وہ ندی تک آپہنچے تھے۔ لیکن بچہ بری طرح تھک چکا تھا۔ اب وہ واپس گھر جانا چاہتا تھا، آرام کرنا چاہتا تھا اور کچھ کھانا بھی چاہتا تھا۔ وہ ناراض تھا اور رو رہا تھا۔ کملا کو اس کے ساتھ بار بار آرام کرنے کے لیے رکنا پڑ رہا تھا۔ وہ اکثر کملا کی مرضی کے خلاف اپنی خواہش ظاہر کرتا۔ کملا کو اسے کھانا کھلانا پڑتا اس کے آرام کا خیال رکھنا پڑتا اور کبھی کبھی اسے ڈانٹنا پڑتا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کی ماں اس اجنبی جگہ جانے کے لیے جہاں کوئی اجنبی مقدس آدمی قریب المرگ ہے۔ اتنا سخت اور تکلیف دہ سفر کیوں کر رہی تھی؟ وہ مر بھی جائے تو ان کا اس سے کیا واسطہ ہے۔

مسافروں کی بھیڑ واسودیو کی ناؤ کے قریب آگئی تھی۔ بچہ اپنی ماں سے آرام کرنے کو کہہ رہا تھا۔ کملا بھی کافی تھک گئی تھی۔ اور جب بچہ کیلا کھا رہا تھا، وہ زمین پر لیٹی آنکھ بند کر کے آرام کرنے لگی۔ اچانک وہ درد سے چیخ اٹھی۔ بچہ گھبرا کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا۔ کملا کے کپڑوں کے نیچے ایک کالا ناگ اسے ڈس کر رینگتا ہوا جا رہا تھا۔

ماں بیٹے جلدی سے کسی آدمی تک پہنچنے کے لیے بھاگے۔ ناؤ کے پاس پہنچتے ہی کملا گر پڑی۔ اب وہ آگے نہیں جا سکتی تھی۔ بچہ اپنی ماں سے لپٹ کر اسے چھاتی سے لگا رہا تھا اور مدد کے لیے چلا رہا تھا۔ ماں بھی چیخ رہی تھی۔ ناؤ کے پاس کھڑے واسودیو نے ان کی چیخ سنی تو وہ بھاگتا ہوا آیا اور عورت کو اپنی بانہوں میں اٹھا کر ناؤ کی طرح لے گیا۔ لڑکا بھی ساتھ ساتھ آیا۔ وہ جلد ہی جھونپڑی میں پہنچ گئے جہاں سدھارتھ کھڑا دیا جلا رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر پہلے لڑکے کو دیکھا۔ اسے لگا اس نے اس بچے کو کہیں قریب سے دیکھا ہے۔ پھر اس کی نگاہ کملا پر پڑی وہ فوراً پہچان گیا۔ حالانکہ وہ ملاح کی بانہوں میں بے ہوش تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اس کا اپنا بیٹا ہے۔ اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

کملا کا زخم دھویا گیا، لیکن وہ سیاہ ہو گیا تھا۔ اور جسم میں ورم آنے لگا تھا۔ اسے ہوش میں لانے والی دوا دی گئی۔ وہ ہوش میں آگئی۔ وہ سدھارتھ کی جھونپڑی میں اس کے بستر پر لیٹی تھی اور وہی سدھارتھ جس سے وہ کبھی بے پناہ محبت کرتی تھی اس پر جھکا ہوا تھا۔

اس نے سمجھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنے محبوب کے چہرے کی طرف دیکھا۔ آہستہ آہستہ اسے حقیقت کا علم ہوا۔ زخم کا خیال آیا۔ اور اس نے بے چین ہو کر بچے کو پکارا۔

"فکر مت کرو" سدھارتھ نے کہا "وہ یہیں ہے"۔

کملا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ زہر پورے جسم میں پھیل گیا تھا اسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔ اس نے کہا "تمہارے بال بھی سفید ہو گئے ہیں۔ لیکن تم اب بھی اس نوجوان شرون کی طرح لگ رہے ہو جو ایک بار میرے باغیچے میں پہنچا تھا۔ اور جس کے تن پر کپڑے نہیں تھے اور پاؤں دھول سے بھرے تھے۔ بلکہ تم اس شرون جیسے زیادہ لگ رہے ہو جو کام سوامی کو اور مجھے چھوڑ آیا تھا۔ تمہاری آنکھیں آج بھی ویسی ہی ہیں سدھارتھ۔ اوہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ بالکل بوڑھی۔ کیا تم نے مجھے پہچان لیا تھا؟"

سدھارتھ مسکرایا۔ "میں تمہیں فوراً پہچان گیا تھا کملا"۔

کملا نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے اسے بھی پہچانا؟ یہ تمھارا ہی بیٹا ہے"۔

اور تب اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ لڑکا رونے لگا۔ سدھارتھ نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔ اسے رونے دیا اور اس کے بال سہلاتا رہا۔ بچے کے چہرے کو دیکھ کر اسے وہ دعا یاد آئی جو اس نے بچپن میں سیکھی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے اسے گانے لگا۔ جیسے الفاظ اس کے ماضی، اس کے بچپن سے چلے آرہے ہوں۔ اس کے گانے سے بچہ چپ ہو گیا۔ کچھ دیر سسکیاں لیتا رہا پھر سو گیا۔ سدھارتھ نے اسے واسودیو کے بستر پر لٹا دیا۔ واسودیو چولھے کے پاس بیٹھ کر بھات پکا رہا تھا۔ سدھارتھ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"وہ آخری سانسیں لے رہی ہے"۔ سدھارتھ نے دھیرے سے کہا۔

واسودیو نے ہاں میں سر ہلایا۔ چولھے کی آگ سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

کملا ایک بار پھر ہوش میں آئی۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ سدھارتھ نے اس کی زرد چہرے پر درد دیکھا۔ اس نے اس کے درد کو چپ چاپ، دھیان سے، صبر سے پڑھا اور اسے بانٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ کملا سمجھ رہی تھی۔ اس کی نگاہ اسے اس کی طرف دیکھتے رہنے کی درخواست کر رہی تھی۔

سدھارتھ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "اب میں تمھاری آنکھوں کو بھی بدلی ہوئی دیکھ رہی ہوں۔ یہ سچ مچ کافی بدل گئی ہیں۔ پتہ نہیں میں کیسے شناخت کر پا رہی ہوں کہ تم اب بھی سدھارتھ ہو۔ تم سدھارتھ ہوتے ہوئے بھی اس کی طرح نہیں رہ گئے ہو"۔

سدھارتھ کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"کیا تم نے اسے حاصل کر لیا ہے" اس نے پوچھا۔ "کیا تم نے سکون پا لیا"

وہ مسکرایا اور اپنا ایک ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔

"ہاں" کملا نے کہا "میں محسوس کر رہی ہوں۔ اب میں بھی سکون حاصل کر لوں گی"۔

"تم نے تو پا ہی لیا۔" سدھارتھ نے اپنے منہ ہی منہ میں کہا۔

کملا اسے ایک ٹک دیکھتی رہی۔ اس کے سفر کا مقصد گوتم کی زیارت تھا۔ بدھ کا پر نور چہرہ دیکھنا تھا، اس کے سکون سے کچھ حاصل کرنا تھا۔ اس کے بدلے اسے سدھارتھ ملا۔ یہ اتنا ہی حق تھا جتنا بدھ کی زیارت۔ وہ اس سے یہ بات کہنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کی زبان اس کا حکم ماننے سے انکار کر چکی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ سدھارتھ نے اس کی آنکھوں میں زندگی کی روشنی ختم ہوتے دیکھی۔ جب اس کی آنکھوں میں آخری تکلیف بھی گزر چکی، جب اس کا جسم آخری بار لرزش

کر چکا۔ تو سدھارتھ نے انگلیوں سے اس کی پلکیں بند کر دیں۔

وہ کافی دیر تک بیٹھا ہوا اس کا مردہ چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کا بوڑھا اور ضعیف چہرہ اور چپکے ہوئے ہونٹ۔ اسے اپنی زندگی کے بہاریہ لحات کی یاد آئی۔ جب وہ اس کے ہونٹوں کا موازنہ تازہ کٹے ہوئے انجیر سے کرتا تھا۔ بہت دیر تک وہ اس کے زرد چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کی تھکن آلود جھریوں کو اور اسے اپنا چہرہ بھی ویسا ہی لگنے لگا۔ ٹھیک اتنا ہی سفید اور مردہ۔ اور ٹھیک اسی وقت اسے اپنا اور اس کا جوان چہرہ، سرخ ہونٹ، شوخ آنکھیں نظر آئیں۔ اور اس میں حال اور فانی زندگی کا احساس بھر گیا۔ اس لمحہ اس نے زندگی کی جاودانی کو پوری آتما میں محسوس کیا۔

جب وہ اٹھا تو دیکھا واسودیو اس کے لیے بھی بھات پکا چکا ہے۔ لیکن کھانے کی اس کی طبیعت نہیں ہو رہی تھی۔ جہاں بکری بندھی ہوئی تھی اسی جگہ دونوں بوڑھوں نے گھاس بچھائی۔ واسودیو لیٹ گیا۔ لیکن سدھارتھ جھونپڑی سے باہر چلا آیا اور رات بھر ندی کنارے بیٹھا رہا۔ اسے سنتا رہا۔ اور اپنے ماضی میں ڈوبا رہا۔ کبھی کبھی وہ اٹھ کر جھونپڑی کے دروازے کے نزدیک چلا آتا اور آہٹ لیتا کہ بچہ سو رہا ہے یا نہیں۔ جب وہ چتا بنا رہے تھے۔ بچہ سو رہا تھا۔

علی الصبح جب سورج نہیں نکلا تھا واسودیو اٹھا اور اپنے دوست کے پاس آیا۔

"تم سوئے نہیں"۔ اس نے کہا۔

"نہیں واسودیو۔ میں یہاں بیٹھ کر ندی کو سنتا رہا۔ آج اس نے مجھے کتنی ہی نئی باتیں بتائی ہیں، اس نے میرے اندر کئی نئے خیالات بھر دیے ہیں"۔

"تم نے بہت کچھ برداشت کیا ہے سدھارتھ۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ پھر بھی غموں کی یلغار تمہارے قلب کو مس نہ کر سکی"۔

"نہیں میرے پیارے دوست، مجھے مغموم کیوں ہونا چاہئے؟ میں جو کہ دولت مند اور مسرور تھا۔ اور زیادہ امیر اور پر سکون ہوں۔ مجھے میرا بیٹا مل گیا ہے"۔

"تمھارے بیٹے کا میں بھی استقبال کرتا ہوں۔ لیکن سدھارتھ اب ہمیں اپنے کام پر چلنا چاہیے۔ ابھی بہت کام باقی ہے۔ کملا کی موت بھی اسی بستر پر ہوئی ہے جس پر میری بیوی مری تھی۔ ہم کملا کی چتا اسی جگہ سجائیں گے جہاں میں نے اپنی بیوی کی چتا سجائی تھی"۔



بیٹا

خوف زدہ، مغموم اور روتے ہوئے بچے نے اپنی ماں کی لاش کو جل کر خاک ہوتے دیکھا۔ اس نے سدھارتھ کو اسے 'بیٹا' کہتے سنا۔ جس جگہ اس کی ماں کی چتا سجائی گئی تھی۔ وہ وہاں کئی دن تک زرد چہرہ لیے بیٹھا رہا۔ دل کو تسلی دیتا رہا۔ اور مستقبل کا سامنا کرتا رہا۔

سدھارتھ اس کے لیے کھلا ذہن رکھتا تھا۔ وہ اسے تنہا رہنے دیتا۔ کیوں کہ وہ اس کا دکھ جانتا تھا۔ سدھارتھ سمجھتا تھا کہ اس کا بیٹا اسے پہچانتا نہیں ہے۔ اسے باپ کا پیار دے پانا بہت مشکل ہے۔ آہستہ آہستہ اسے یہ محسوس ہوا کہ وہ ماں کے بیجا لاڈ پیار سے بگڑا ہوا گیارہ برس کا بچہ ہے۔ اس کی پرورش امیر بچوں کی طرح ہوئی تھی۔ وہ اچھا کھانا، ملائم بستر اور ملازموں کو حکم دینے کا عادی تھا۔ سدھارتھ جانتا تھا کہ بگڑی ہوئی عادتوں کے اس دکھی بچے کو یکایک ایک اجنبی اور انجان جگہ پر مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے بچے پر کسی قسم کا دباؤ بھی نہیں ڈالا۔ بلکہ اس کی مدد کرتا رہا۔ اس نے ہمیشہ اس کے لیے اچھے کھانے کا انتظام کیا۔ دھیرے دھیرے بے تکلف سلوک سے بچے کا دل جیت لینے کی اسے امید تھی۔

پہلے پہلے جب یہ بچہ سدھارتھ کو ملا تھا۔ تو وہ اپنے کو سکھی مان بیٹھا تھا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرا، بچہ خشک مزاج اور چڑچڑا ہوتا گیا۔ شرارتی اور گستاخ ہونے لگا۔ کام چوری اور ان دونوں سے بد تمیزی کرنے لگا۔ اور واسودیو کے پیڑوں سے پھل چرانے لگا۔ تو سدھارتھ کو محسوس ہوا کہ اس کے بیٹے نے اسے کسی بھی طرح سکون نہیں دیا۔ صرف دکھ اور مشکلات دی ہیں۔ لیکن اس نے اس سے پیار کیا اور بدلے میں دکھ اور پریشانی پائی۔ بچے کے ہونے کی خوشی اور مسرت اسے نہیں مل سکی۔

سدھارتھ کا بیٹا بھی جھونپڑی میں رہنے لگا تھا۔ دونوں بوڑھے مل جل کر کام کرتے۔ واسودیو نے کشتی کا سارا کام سنبھال لیا تھا۔ سدھارتھ نے اپنے بچے کے ساتھ رہنے کے نظریے

سے گھر اور کھیت کا کام۔

کئی مہینوں تک اس نے امید اور صبر کے ساتھ انتظار کیا کہ اس کا بیٹا اس کے جذبات کو سمجھنے لگے گا۔ اس کی محبت قبول کرلے گا۔ اور شاید بدلے میں محبت بھی کرنے لگے گا۔ واسودیو کئی مہینے تک یہ سب دیکھتا رہا۔ ایک دن جب بچہ شرارت سے اپنے باپ کو پریشان کر رہا تھا اور چاول کے دونوں پیالے اس نے پھوڑ ڈالے تو شام میں واسودیو نے سدھارتھ کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"معاف کرنا، دوست کی حیثیت سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، تمھیں میں فکرمند اور مغموم دیکھ رہا ہوں۔ دوست تمھارا بیٹا تمھیں پریشان کر رہا ہے اور مجھے بھی۔ یہ ننھا پرندہ کسی اور ہی آب وہوا کا پروردہ ہے۔ دوسرے آشیانے کا۔ اس نے گھربار، دھن دولت تمھاری طرح نہیں چھوڑے ہیں۔ بلکہ یہ ساری چیزیں اسے اپنی مرضی کے خلاف چھوڑنی پڑی ہیں۔ میں نے ندی سے پوچھا۔ دوست میں نے کئی بار پوچھا اور اس پر اس کا قہقہہ سنائی پڑا۔ اس نے میرا مذاق اڑایا اور اس نے تمھارا بھی مذاق اڑایا۔ ہماری بیوقوفی پر وہ بار بار ہنسی۔ پانی پانی سے ملتا ہے جوانی جوانی سے۔ تمھارا بیٹا یہاں خوش نہیں رہے گا۔ تم ندی سے پوچھو اور جو وہ کہتی ہے سنو"۔

دکھی ہو کر سدھارتھ نے اپنے دوست کے مہربان چہرے کی جانب دیکھا۔ جس پر ابھری ہوئی جھریاں اس کی نیک نیتی کا ثبوت دے رہی تھیں۔

"میں اس سے کیسے الگ ہو سکتا ہوں" اس نے دھیرے سے کہا۔ "مجھے تھوڑا وقت اور دو۔ دوست میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس کا دل جیت سکوں۔ میں محبت اور صبر سے اسے جیتوں گا۔ کسی دن ندی اس سے بھی بولے گی۔ ندی سب کو پکارتی ہے"۔

واسودیو کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری، "ٹھیک ہے"۔ اس نے کہا "اس زمین پر وہ بھی پیدا ہوا ہے۔ وہ بھی تو غیر فانی زندگی کا ایک حصہ ہے لیکن کیا ہم تم جانتے ہیں کہ وہ کس لیے آیا ہے؟ اس کا راستہ کون سا ہے؟ اسے کیا کام کرنے ہیں؟ اسے کون سے دکھ ہیں؟ یہاں اس کے دکھ کم نہیں ہوں گے وہ مغرور اور سخت دل ہے۔ شاید وہ کافی مصیبت اٹھائے گا۔ بے شمار غلطیاں کرے گا۔ ناانصافی کرے گا۔ کئی گناہ کرے گا۔ مجھے بتاؤ دوست کیا تم اپنے بیٹے کو تعلیم دے رہے ہو؟ کیا وہ تمھارا حکم مانتا ہے؟ تم اسے مارتے اور سزا دیتے ہو؟"

"نہیں واسودیو، میں ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتا"۔

"مجھے معلوم ہے سدھارتھ تم اس سے سختی نہیں برت سکتے۔ تم اسے سزا نہیں دیتے۔ وہ تمھارے بس میں نہیں ہے۔ کیوں کہ تم جانتے ہو کہ نرمی سختی سے زیادہ طاقتور ہے۔ پانی چٹان

سے زیادہ طاقت ور ہے۔ محبت قوت سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اچھا ہے۔ میں تمھاری تعریف کرتا ہوں۔ لیکن کیا یہ تمھاری خام خیالی نہیں ہے کہ تم اس سے سختی نہیں برتتے، اسے سزا نہیں دیتے۔ کیا تم نے اسے اپنی محبت میں باندھ نہیں رکھا ہے؟ کیا تم اسے اپنی خوبیوں اور صبر سے شرمندہ اور مجبور نہیں کر رہے ہو؟ کیا تم اس شرارتی اور بگڑے ہوئے لڑکے کو جھونپڑی میں کیلے کھا کر پڑے رہنے والے دو بوڑھوں کے ساتھ رہنے کے لیے مجبور نہیں کر رہے۔ جن کے لیے چاول بہترین غذا ہے۔ جن کے خیالات اس جیسے نہیں ہو سکتے، جن کے دل بوڑھے اور پر سکون ہیں، جن کی دھڑکنیں اس کے دل کی دھڑکنوں سے مختلف ہیں۔ کیا تم ایسا کر کے اسے سزا نہیں دے رہے ہو؟ کیا اس کی آزادی میں رکاوٹ نہیں بن رہے ہو"۔

سدھارتھ بے چین ہو کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ "مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تم کیا سوچتے ہو" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

واسودیو نے کہا "اسے شہر لے جاؤ۔ اس کی ماں کے گھر۔ وہاں نوکر چاکر ہوں گے۔ اسے ان کے پاس چھوڑ دو۔ اور اگر وہ وہاں نہ ہوں تو اسے کسی معلم کے سپرد کر دو۔ صرف تعلیم کے مقصد سے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ اپنی عمر کے دوسرے لڑکے لڑکیوں میں گھل مل سکے اور اس دنیا میں رہ سکے جہاں سے وہ آیا ہے۔ تم نے اس سلسلے میں کبھی سوچا بھی ہے؟"

"تم میرا کلیجہ چیر کر دیکھ سکتے ہو"۔ سدھارتھ نے کہا۔ "میں اس بارے میں مسلسل سوچتا رہا ہوں لیکن وہ اتنا سخت دل ہے کہ کیا کہوں۔ وہ اس دنیا میں کیسے چل پائے گا؟ کیا وہ مغرور نہیں ہو جائے گا؟ کیا وہ اپنے کو عیش و عشرت میں برباد نہیں کر ڈالے گا؟ کیا اپنے باپ کی ساری برائیوں کو وہ نہیں دہرائے گا؟ کیا وہ اس دنیا میں کھو نہیں جائے گا؟"

واسودیو پھر مسکرایا۔ اور اس نے سدھارتھ کی بانہہ دھیرے سے سہلائی پھر کہا "ندی سے پوچھو دوست اس کو سنو۔ پھر تمھیں اپنی باتوں پر ہنسی آئے گی۔ کیا تم سچ مچ یہ سوچتے ہو کہ تم نے جو بھولیں کی تھیں۔ وہ اس لیے کی تھیں کہ تم اپنے بیٹے کو ان سے بچا سکو؟ کیا تم اپنے بیٹے کو اس دنیا میں داخل ہونے سے روک سکتے ہو؟ ایسا کیسے کرو گے؟ درس سے، دعاؤں سے اور لالچ سے؟ کیا تم برہمن زادہ سدھارتھ کی، اپنی ہی کہانی بھول گئے جو تم نے خود مجھے ایک بار سنائی تھی؟ سدھارتھ کو دنیا سے، گناہ سے، لالچ سے، خامیوں سے کس نے بچایا تھا۔ کیا اس کے باپ کی پاکیزگی نے ایسا کیا تھا یا کہ اس کے استادوں کے درس نے، یا اس کے اپنے علم نے یا اس کی اپنی تلاش نے؟ تم چاہتے ہو کہ تمھارا ننھا لاڈلا زندگی کے دکھوں، تکلیفوں، اور پریشانیوں سے بچا رہے، صرف اس

لیے کیا وہ بچ جائے گا۔ اگر تم دس جنم تک کوشش کرتے رہو تو بھی تم اس کے مقدر کو ذرہ برابر تبدیل نہیں کر سکتے"۔

واسودیو نے اس سے پہلے کبھی اتنی کھلی بات چیت نہیں کی تھی۔ سدھارتھ نے دل کی گہرائیوں سے اس کا شکریہ ادا کیا اور جھونپڑی میں چلا گیا مگر وہ سو نہیں سکا۔ واسودیو نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ جس پر اس نے خود نہ سوچا ہو یا جسے وہ جانتا نہ ہو۔ لیکن بیٹے کے لئے اس کی محبت اس علم سے کہیں زیادہ طاقت ور تھی۔ وہ اپنے بیٹے کو بے حد چاہتا تھا۔ اور ڈرتا تھا کہ کہیں وہ اسے بھی نہ کھو دے۔ اسے لگتا تھا کہ اس کے پہلے اس نے کبھی کسی کو اتنا پیار نہیں کیا تھا۔ اتنا اندھا، اتنا تکلیف دہ، پھر بھی اتنی خوشی دینے والا پیار۔

سدھارتھ اپنے دوست کا مشورہ نہیں مان پایا۔ وہ اپنے بیٹے کو آزاد نہیں کر سکا۔ وہ بیٹے کو اپنے بس میں بھی نہ کر سکا۔ الٹے خود اس کے بس میں ہو کر توہین برداشت کرتا رہا۔ گونگا بنا رہا اور انتظار کرتا رہا۔ اس نے صبر کی خاموش جدوجہد جاری رکھی۔ واسودیو بھی خاموش اور منتظر تھا۔ دوستانہ ہمدردی اور نرم دلی کے ساتھ۔ ان دونوں میں بے پناہ صبر تھا۔

ایک بار سوتے بچے کو دیکھتے ہوئے اسے کملا کی یاد آئی۔ اور وہ بات بھی یاد آئی جو کملا نے اس سے کہی تھی۔ تم پیار نہیں کر سکتے، کملا نے کہا تھا اور وہ اس سے متفق تھا۔ اس نے اپنا موازنہ ایک ستارے سے کیا تھا اور دوسرے لوگوں کا خزاں رسیدہ سوکھے گرتے پتوں سے۔ پھر اس نے کملا کے الفاظ میں توہین محسوس کی تھی۔ مگر یہ سچ تھا کہ وہ کبھی کسی کے پیار میں اتنا نہیں کھویا تھا کہ خود کو بھول جائے۔ اس نے پیار میں اندھا ہو کر کوئی بھول نہیں کی تھی۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اور اسے لگتا تھا کہ اس میں اور دوسرے عام آدمیوں میں یہی فرق ہے۔ لیکن اب اس کے بیٹے نے اسے بھی انھیں عام آدمیوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ غم اور محبت اسے دیوانہ بنا رہی تھی۔ وہ بیوقوفوں کی طرح سلوک کر رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کے اندر وہ صلاحیت، خصوصیت کا وہ جذبہ اب نہیں رہ گیا ہے۔ اسے ناقابل برداشت تکلیف ہو رہی تھی۔ پھر بھی وہ خوش تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ اسے نئی زندگی، ایک نئی دولت مل گئی ہے۔

اسے لگا کہ بیٹے کے لیے اس کا یہ اندھا پیار فطری ہے اور یہی زندگی ہے۔ گہرے سمندر میں اٹھتے مدوجزر جیسے زندگی۔ یہ بے معنی نہیں ضروری ہے۔ اور اس کی اپنی ضرورت سے پیدا ہوئی ہے۔ درد کی اس لہر، تکلیف اور اس بے وقوفی کو اسے جھیلنا ہی تھا۔ اسے ان سے مفر مناسب نہیں تھا۔ اس نے بیٹے کو غلطیاں کرنے سے روکا نہیں۔ اسے کوشش کرنے دی۔ اس کے غرور

کو چور چور ہونے دیا۔ باپ میں ایسا کیا تھا جو اسے متاثر کرتا یا اس کے اندر خوف پیدا کرتا؟ اس کا باپ ایک شریف آدمی تھا۔ نرم دل، معصوم اور مذہبی تھا۔ مگر ان تمام خوبیوں سے وہ بچے کا دل نہیں جیت سکتا تھا۔ وہ باپ سے نفرت کرتا تھا۔ اس باپ سے جس کی صحبت بے حد خشک تھی۔ اور جس نے اسے ایک گندی اور ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں رکھ چھوڑا تھا۔ بیٹے کی ہر گستاخی کا جواب مسکراہٹ سے دینا۔ ہر توہین کا جواب دوستی سے دینا۔ اور ہر بے ہودہ حرکت کا جواب رحم سے دینا بیٹے کی نگاہ میں بوڑھے کھوسٹ کی بدترین چالاکی تھی۔ شاید بیٹا اسے اس سے زیادہ محبت اور عزت دیتا اگر وہ اسے ڈانٹتا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرتا۔

پھر وہ دن بھی آیا جب بیٹے نے سدھارتھ کو اپنے من کی بات بتائی اور واضح طور پر اس کی مخالفت کی۔ سدھارتھ نے اس سے سوکھی لکڑیاں چننے کے لیے کہا۔ مگر وہ جھونپڑی سے باہر نہیں نکلا۔ اس نے غصے سے زمین پر پیر پٹکے اور مٹھیاں بھینچے وہیں کھڑا اپنی نفرت اور عدول حکمی کا کھلا اظہار کرتا رہا۔

"میں نہیں جاتا خود جاکر لے آؤ"۔ چیختے ہوئے اس نے کہا۔ "میں تمھارا غلام نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم میرے اوپر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے کیوں کہ تم بزدل ہو۔ حالانکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک نہایت ظالمانہ انداز میں مجھے سزا دے رہے ہو۔ اپنی مہربانی سے اور اپنے پیار سے تم مجھے مسلسل اپنی ہی نگاہ میں گرانا چاہتے ہو۔ چھوٹا بنانا چاہتے ہو۔ تم مجھے اپنی طرح بنانے پر تلے ہو۔ ویسا ہی عقل مند اتنا ہی پاکیزہ اور شریف لیکن تمھارے جیسا بننے کے بجائے میں چور اور قاتل بننا زیادہ پسند کروں گا۔ تمھارے ساتھ جنت کی سیڑھیاں چڑھنے کے بدلے مجھے دوزخ قبول ہے۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ میں تمھیں اپنا باپ نہیں مانتا۔ بھلے ہی تم میری ماں کے عاشق رہے ہو"۔

اس نے انتہائی غصے اور نفرت کے ساتھ اپنے باپ پر وار کیا پھر وہ باہر چلا گیا اور شام کو دیر سے واپس آیا۔

دوسرے دن صبح وہ لاپتہ تھا۔ وہ تھیلی جس میں ملاح اپنی کمائی کے تانبے اور چاندی کے سکے رکھتا تھا غائب تھی۔ کشتی بھی ندارد تھی۔ سدھارتھ نے اسے تھوڑی دور پر ندی کے دوسرے کنارے پر دیکھا۔ لڑکا بھاگ گیا تھا۔

"میں اس کا تعاقب کروں گا"۔ سدھارتھ نے کہا۔ حالانکہ وہ بچے کے الفاظ سے ابھی تک تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ "بچہ جنگل کو اکیلا پار نہیں کر سکتا وہ آفت میں پھنس جائے گا۔ واسودیو ندی پار کرنے کے لیے ہمیں بیڑہ تیار کرنا پڑے گا"۔

"بیڑا تو تیار کرنا ہی پڑے گا۔ ناؤ اس پار سے لانا جو ہے۔ مگر اپنے بیٹے کو جانے دو دوست، وہ بچہ نہیں رہا۔ اپنی حفاظت خود کرنا جانتا ہے۔ وہ شہر کی جانب جانے والے راستے کی تلاش میں ہوگا اور وہی ٹھیک بھی ہے۔ تم کیوں بھولتے ہو کہ وہ ویسا ہی کر رہا ہے جس کی تم توقع رکھتے تھے۔ اپنی حفاظت وہ خود کر رہا ہے۔ اپنا راستہ خود بنا رہا ہے۔ سدھارتھ میں سمجھتا ہوں تم مغموم ہو۔ تکلیف محسوس کر رہے ہو۔ یہ وہ تکلیف ہے جس پر ایک دن آدمی خود ہنستا ہے جس پر جلدی تم بھی ہنسنے لگو گے"۔

سدھارتھ نے خاموشی سے کلہاڑی اٹھائی اور بانس کا بیڑا بنانے میں جٹ گیا۔ واسودیو نے بیڑے کو بیت سے بننے اور گھاس کی بنی رسی سے باندھنے میں اس کی مدد کی۔ پھر انھوں نے ندی پار کی۔ ندی کی دھار بیڑے کو دور تک بہالے گئی۔ دوسرے کنارے کے قریب پہنچ کر وہ بیڑے کو کھینچ کر کشتی تک لے آئے۔

"کلہاڑی کیوں لائے ہو واسودیو"؟ سدھارتھ نے پوچھا۔

"شاید ناؤ کی پتوار کھو گئی ہو"۔ واسودیو نے کہا۔ لیکن سدھارتھ جانتا تھا کہ اس کا دوست کیا سوچ رہا ہے۔ وہ سوچ رہا ہے کہ شاید بچے نے انتقام کے جذبے میں پتوار پھینک دی ہو یا توڑ دی ہو تاکہ وہ اس کا پیچھا نہ کر سکیں۔ واسودیو کا اندازہ صحیح تھا۔ کشتی میں پتوار غائب تھی۔ ناؤ کی تلی کی طرف اشارہ کر کے واسودیو ہنسا جیسے کہہ رہا ہو دیکھو تمھارا بیٹا تمھیں کیا جتانا چاہتا ہے۔ کیا تمھاری سمجھ میں نہیں آرہا۔ کہ وہ نہیں چاہتا تم اس کا پیچھا کرو۔ حالانکہ واسودیو نے منہ سے کچھ نہیں کہا اور پتوار بنانے لگا۔ سدھارتھ نے بچے کا پتہ لگانے کے لیے اس سے وداع لی۔ واسودیو نے اسے روکا بھی نہیں۔

سدھارتھ اس وقت تک جنگل کے راستے پر چلتا رہا۔ جب تک اسے اپنی تگ و دو کی بے معنویت کا احساس نہیں ہو گیا۔

سدھارتھ نے سوچا کہ یا تو وہ کافی پہلے جنگل سے نکل کر شہر پہنچ گیا ہے یا وہ کہیں چھپ گیا ہے۔ اس نے پھر غور کیا تو احساس ہوا کہ وہ بیٹے کے لیے پریشان نہیں تھا۔ اس کا من جانتا تھا کہ نہ تو وہ مصیبت میں پھنسا ہے اور نہ ہی اسے لوٹایا جا سکتا ہے۔ پھر بھی وہ لگاتار آگے بڑھتا گیا۔ اسے بچانے کی فکر میں نہیں۔ بلکہ اسے ایک بار، آخری بار ہی سہی دیکھ پانے کی خواہش میں وہ شہر کی حد تک جا پہنچا۔

شہر کی خاص سڑک کے قریب ایک خوبصورت باغیچے کے دروازے پر سدھارتھ کھڑا

ہو گیا۔ یہ وہی باغیچہ تھا جس کی مالکن کبھی کملا تھی اور جہاں وہ اسے پالکی میں بیٹھی ہوئی پہلی بار نظر آئی تھی۔ پورا ماضی اس کی نظروں میں گھوم گیا۔ ایک بار اس نے اپنے کو، نوجوان سدھارتھ کی بڑھی ہوئی داڑھی مونچھ والے، پھٹے حال، دھول بھرے، شرون کو دیکھا جو ٹھیک اسی جگہ پر کھڑا ہوا تھا جہاں اس وقت وہ کھڑا تھا۔ وہ کافی دیر تک کھڑا کھڑا باغیچے کے کھلے ہوئے دروازے سے اندر دیکھتا رہا۔ اس نے خوبصورت درختوں کے سائے میں بھکشوؤں کو ادھر ادھر گھومتے دیکھا۔

وہ وہاں دیر تک کھڑا رہا۔ سوچ میں ڈوبا۔ پرانی یادوں کو تازہ کرتا اور اپنی گزری زندگی کو آنکھوں کے سامنے ناچتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ دیر تک بھکشوؤں کو دیکھتا رہا۔ پھر ان کی جگہ نوجوان سدھارتھ نے لے لی۔ اور اس نے اونچے گھنے درختوں کے نیچے ٹہلتی ہوئی کملا کو بھی دیکھا اسے واضح طور پر نظر آیا کہ کملا کس طرح پہلی بار اس سے ملی تھی۔ اور اس نے کس طرح اس کا پہلا بوسہ لیا تھا۔ کس طرح نفرت سے اس نے اپنی شرونوں والی زندگی کو دیکھا تھا۔ اور کتنے فخر اور جوش سے اس نے اپنی دنیاوی زندگی شروع کی تھی۔ اس نے کام سوامی کو دیکھا، نوکروں کو دیکھا، دعوتیں دیکھیں، جواریوں اور موسیقاروں کو دیکھا، اس نے پنجرے میں گاتی کملا کی مینا کو دیکھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی کو ایک بار پھر سے دیکھا۔ دنیا ایک بار پھر اس پر حاوی ہوئی۔ وہ پھر سے بوڑھا ہوا۔ تھک گیا۔ اسے پھر سے زندگی سے اوب ہوئی۔ نفرت ہوئی اور مر جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور پھر سے اسے مقدس 'اوم' سنائی پڑا۔

دروازے پر کافی دیر تک کھڑے رہنے کے بعد سدھارتھ کو لگا کہ وہ خواہش جو اسے یہاں تک کھینچ لائی تھی، بیوقوفی تھی اور وہ اپنے بیٹے کی کوئی مدد پھر بھی نہیں کر سکا۔ بیٹے کے اوپر اپنی مرضی تھوپنے کا اسے کوئی حق نہیں تھا۔ بیٹے کے لیے اس کے دل میں ممتا امڈ پڑی۔ اسے لگا اس کے اندر ایک تازہ زخم تکلیف دے رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ زخم ناسور نہیں بنے گا بلکہ دھیرے دھیرے بھر جائے گا۔ اس کی ٹیس ختم ہو جائے گی۔

زخم ابھی تازہ تھا اس لیے وہ دکھی تھا۔ اس لگن کی جگہ جو اسے یہاں تک کھینچ لائی تھی۔ اب صرف ایک سونا پن تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے اندر کوئی چیز ابھر رہی ہے کہیں کوئی خوشی نہیں رہ گئی تھی۔ کوئی مقصد نہیں تھا۔ وہ گھٹن اور انتظار میں بیٹھا رہا۔ یہ اس نے ندی سے سیکھا تھا۔ انتظار کرنا، صبر کرنا، اور سنتے رہنا۔ وہ دھول بھری سڑک پر خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ بہت سی آوازوں کے درمیان اسے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی پڑ رہی تھی۔ جو تھکن اور دکھ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مگر وہ کسی اور آواز ک [illegible] ر کر رہا تھا۔ وہ گھنٹوں بیٹھا سنتا رہا۔ اسے کچھ

بھی نہیں سمجھ میں آرہا تھا۔ سونے پن میں ڈوبا ہوا سدھارتھ اس تکلیف سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں پارہا تھا۔ جب بھی زخم کی ٹیس محسوس کرتا۔ تو اوم کی ادائیگی کرتا۔ اس کے بھورے بالوں میں اڑ کر دھول جمتی رہی۔ ایک بھکشو نے اسے دیر سے وہاں بیٹھے دیکھا تو اس کے سامنے دو کیلے رکھ گیا۔ مگر نہ اس نے بھکشو کو آتے دیکھا نہ کیلے رکھتے دیکھا۔

یکایک اپنے کندھوں پر ایک نرم لمس پاکر سدھارتھ اپنے آپ میں واپس آیا۔ سدھارتھ اس لمس کو پہچانتا تھا۔ وہ واسودیو کے ہاتھوں کا لمس تھا۔ واسودیو اسے تلاش کرتا اس کے پیچھے وہاں تک آگیا تھا۔ اس نے واسودیو کے مہربان چہرے کو دیکھا۔ جس کی جھریوں میں مسکراہٹیں چھپی تھیں۔ اس نے اس کی چمکتی آنکھوں کو دیکھا اور مسکرایا۔ اب اس نے نیچے پڑے کیلوں کو بھی دیکھا اس نے انھیں اٹھالیا۔ ایک واسودیو کو دے کر دوسرا خود کھانے لگا۔ پھر بغیر کچھ کہے وہ واسودیو کے ساتھ ندی کے کنارے گھاٹ پر لوٹ آیا۔ ان میں سے کسی نے اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔ نہ ہی بچے کے فرار کی بات اٹھائی۔ نہ اس کا نام لیا۔ اور نہ ہی اس سے حاصل تکلیف کی طرف اشارہ کیا۔ جھونپڑی میں پہنچتے ہی سدھارتھ اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ اور جب تھوڑی دیر بعد واسودیو ناریل کا پانی لے کر اسے دینے گیا۔ تو وہ گہری نیند میں تھا۔



اوم

ایک طویل عرصے تک زخم میں ٹیس اٹھتی رہی۔ سدھارتھ جب بھی کسی ایسے مسافر کو ندی پار کرواتا جس کے ساتھ اس کی کوئی اولاد ہوتی تو وہ اس سے حسد کیے بغیر نہ رہتا۔ اتنے سارے لوگوں کو یہ نعمت حاصل ہوئی، مجھے کیوں نہیں ملی؟ برے لوگوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی بھی اولادیں ہیں جو انھیں پیار کرتی ہیں اور جنھیں وہ پیار کرتے ہیں وہ ایسی ہی بچوں جیسی باتیں سوچتا۔ وہ ایک دم معمولی آدمیوں کی طرح سوچنے لگا تھا۔

اب وہ لوگوں کو بدلی ہوئی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ حالانکہ اس کے خیالات بہت واضح نہیں تھے۔ اور نہ ہی ان میں غرور شامل تھا۔ اسی وجہ سے ان میں ہمدردی، پیار اور تجسس کے احساسات بھرے تھے۔

اب وہ عام مسافروں کو، تاجروں کو، سپاہیوں اور عورتوں کو ندی پار کرواتا تو وہ اسے پہلے کی طرح اجنبی نہیں لگتے تھے۔ وہ ان کے خیالات اور نقطہ ہائے نظر سے اپنی مناسبت نہیں پاتا تھا۔ مگر ان کی زندگی کے ہوسناک تصورات میں ضرور شامل تھا حالانکہ اس نے بلند مرتبہ اور داخلی توازن حاصل کرلیا تھا، اپنے دل کے زخم کو بھی برداشت کرلیا تھا۔ مگر اب اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ سب معمولی لوگ اس کے بھائی ہیں۔ وہ ان سے محبت کرتا تھا۔ اور ان کی عزت بھی کرنے لگا تھا۔ بچے کے لیے ماں کا اندھا پیار، اکلوتے بیٹے کے لیے باپ کا احمقانہ فخر، اور کسی مغرور دوشیزہ کی زیورات کی اور مردوں کی نگاہوں کو متوجہ کرنے کی پیاس۔ یہ ساری حقیر خصلتیں اور حماقتیں بے حد طاقتور اور اہم تھیں، مشتعل ہوسناکیاں اور خواہشات اب سدھارتھ کو حقیر نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ ان خواہشات اور ہوسناکیوں کی تکمیل کے لیے وہ لوگوں کو بڑے سے بڑے کام کرتے دیکھتا۔ ان کی تکمیل کے لیے وہ لوگوں کو سفر کرتے، جنگ کرتے، بڑی بڑی تکلیفیں سہتے دیکھتا۔ اور اس کے لیے انھیں پیار کرتا۔ ان کی ان تمام حقیر ضروریات اور خواہشات میں اسے زندگی کی تجدید اور برہم کی جاودانی کے دیدار

ہوتے۔ وہ اسے مہاتماؤں اور مفکروں کے ہم پلہ لگتے۔ صرف ایک معمولی فرق کے ساتھ اور وہ یہ کہ مہاتماؤں اور مفکروں کے مقابل عام لوگ دنیا کے تسلسل اور وحدانیت کے علم سے ناواقف تھے۔ سدھارتھ نے بارہا یہ سوچا کہ یہ علم، یہ نظریات کیا حقیقتاً اتنے بیش قیمت ہیں؟ یہ کہیں ان مفکرین کی خود پروازی تو نہیں جو صرف بچوں کے خیالات کی ہی طرح غیر اہم ہوں۔

رفتہ رفتہ سدھارتھ کو یہ واقفیت حاصل ہوئی کہ حقیقت میں شعور کیا ہے؟ اور اس کی جستجو کا مقصد کیا ہے؟ دھیرے دھیرے اس کے اس خیال کو بھی تقویت حاصل ہوئی کہ خود شناسی کی قوت، فکر کا پراسرار فن، لحہ لحہ زندگی کی وحدانیت کو محسوس کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مقصد ہے۔ یہی واسودیو کے معصوم لیکن زمانہ شناس چہرے میں نظر آتا ہے۔ اشتراک، زندگی کا تسلسل، احساس اور وحدانیت۔

لیکن زخم میں ٹیس اب بھی اٹھتی تھی۔ سدھارتھ اپنے بیٹے کے بارے میں سوچتے سوچتے کبھی کبھی بہت بے چین اور افسردہ ہو جاتا تھا۔ اس کے لیے اب بھی وہ دل میں محبت کا احساس دبائے ہوئے تھا۔ اب بھی اس کا دل بیٹے کے لیے پریشان ہو جاتا تھا۔ محبت کی حماقتیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں۔ شعلہ ابھی بجھا نہیں تھا۔

ایک دن جب وہ زخم بے طرح تکلیف دے رہا تھا۔ سدھارتھ ناؤ لے کر ندی پار چلا گیا۔ ایک خواہش اسے اندر ہی اندر گھٹن میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کو تلاش کرنے کی نیت سے ناؤ سے اتر پڑا۔ ندی آہستہ روی سے بہہ رہی تھی۔ گرمی کے دن تھے۔ پھر بھی اس کی آواز میں ایک عجیب گونج تھی جیسے وہ ہنس رہی ہو۔ بالکل واضح۔ ندی بوڑھے ملاح سدھارتھ پر ہنس رہی تھی مستی بھری ہنسی تھی وہ۔ سدھارتھ تھوڑی دیر کھڑا رہا پھر اس آواز کو اور اچھی طرح سننے کے لیے ندی کے قریب آیا۔ پرسکون اور رواں پانی میں اسے اپنا عکس نظر آیا۔ اس عکس میں کچھ ایسا تھا جس نے اسے ایک بہت پرانی بات کی یاد دلا دی۔ اسے اپنا چہرہ کسی دوسرے کا معلوم ہوا۔ جس سے وہ کبھی آشنا تھا۔ اور خائف بھی۔ اس کا چہرہ اس برہمن، اس کے بوڑھے باپ سے مشابہ تھا۔ اسے یاد آیا کہ کس طرح اس نے بہت پہلے ایک بار اپنی نوجوانی میں شرمنوں کے ساتھ جانے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے بوڑھے برہمن، اپنے باپ کو مجبور کیا تھا۔

وہ کیسے رخصت ہوا تھا۔ اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں گیا۔ کیا اس کے باپ نے بھی اسی طرح کی تکلیف نہیں اٹھائی جیسی وہ اپنے بیٹے کے لیے اٹھا رہا ہے؟ کیا اس کا باپ اپنے بیٹے کو بغیر دیکھے، خاموشی سے کافی عرصہ پہلے نہیں مر گیا؟ کیا اس کی قسمت میں بھی یہی نہیں ہے؟ کیا یہ

ایک ناٹک نہیں ہے؟ ایک عجیب ناٹک، ایک حادثہ دوسری بار، تواتر کے منحوس دائرے پر ظاہر ہونے والا ایک اور حادثہ۔

ندی ہنس رہی تھی۔ ہاں سب اسی طرح چلتا ہے۔ ہر وہ چیز جو درد کے انجام تک برداشت نہیں کی جاتی، مکمل نہیں کی جاتی۔ وہ پھر سے رونما ہو جاتی ہے۔ اور اسے پھر سے ساری تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ سدھارتھ پھر ناؤ پر چڑھا اور اسے جھونپڑی کی طرف واپس لے چلا۔ اپنے باپ کے بارے میں سوچتا ہوا۔ اپنے بیٹے کے بارے میں سوچتا ہوا۔ ندی اس پر ہنستی رہی۔ وہ کشمکش میں مبتلا رہا۔ وہ ناامیدی کے تھپیڑے کھاتا رہا۔ اس کے اندر اپنے ساتھ ساری دنیا پر قہقہہ لگانے کی خواہش بھی کم نہیں ہوئی اس کے زخم میں اب بھی ٹیس تھی۔ وہ اپنے مقدر سے برسرِ پیکار تھا۔ اب بھی اس کا دل سکون حاصل نہ کر سکا تھا۔ پھر بھی وہ پر امید تھا اور جب وہ اپنی جھونپڑی میں پہنچا تو اس کے دل میں واسودیو کے سامنے اعتراف گناہ کی شدید خواہش بیدار ہوئی۔ سب کچھ بتانے کی، اس آدمی کو سب کچھ بتانے کی خواہش جو سننے کے فن کا ماہر تھا۔

واسودیو جھونپڑی میں بیٹھا ٹوکری بن رہا تھا۔ ناؤ کا کام وہ اب نہیں کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں کمزور ہو گئی تھیں۔ اس کی بانہیں اور ہاتھ بھی۔ لیکن وہ اب بھی پہلے جیسا مسرور تھا۔ اس کے چہرے پر سکون اور دمک اب بھی باقی تھی۔

سدھارتھ اس کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ بولنے لگا۔ اس نے اب اسے وہ سب کچھ بتایا جو پہلے کبھی نہیں بتایا تھا۔ اس بار وہ شہر تک کیسے پہنچا تھا۔ کیسے اس کے اندر کے زخم میں ٹیس ہوتی رہی۔ مسرور والدین کو دیکھ کر اس کے دل میں حسد پیدا ہوا اور پھر کیسے اس حماقت کا احساس ہوا۔ کیسے اس نے خود سے بے معنی جدوجہد کی۔ اس نے ایک ایک بات بتائی۔ اب وہ اسے سب کچھ بتا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ لاشعور میں پوشیدہ چیزیں بھی۔ اس نے اسے اپنا زخم کرید کر دکھا دیا تھا۔ اس نے اس دن کے اپنے سفر کے بارے میں بھی بتایا۔ کہ شہر جانے کے لیے وہ ندی پار کس طرح پہنچا تھا اور ندی نے کس طرح اس کا مذاق اڑایا تھا۔

وہ کہتا رہا اور واسودیو خاموشی سے سنتا رہا۔ سدھارتھ کو لگا کہ واسودیو پہلے سے کہیں زیادہ متوجہ ہو کر سن رہا ہے۔ اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ اس کے دکھوں، اس کی پریشانیوں اور اس کی پوشیدہ امیدوں کا بہاؤ واسودیو کی طرف سے پھر اسی کی طرف تھا۔ سننے والے کو اپنے زخم دکھانا اسے ندی میں اس وقت تک نہلانے جیسا ہے جب تک کہ وہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا۔ جیسے جیسے سدھارتھ کہتا گیا اور اعتراف کرتا گیا۔ اسے یہ محسوس ہوتا گیا کہ وہ واسودیو نہیں رہ گیا۔ وہ آدمی نہیں رہ گیا۔ جو

اسے سننے بیٹھا تھا۔ اسے لگا کہ اس کا خاموش سامع اس کے اعتراف گناہ کو اسی طرح اپنے اندر جذب کر رہا ہے جیسے ایک درخت بارش کو کرتا ہے۔ اور وہ خاموش شخص اپنے آپ میں ایک ندی ہے۔ ابدیت ہے، بھگوان ہے۔

اپنے بارے میں، اپنے زخم کے بارے میں جیسے جیسے سدھارتھ نے سوچنا کم کیا ویسے ویسے ہی واسودیو میں رونما تبدیلیوں کا احساس گہرا ہوتا گیا۔ اور اسے واسودیو کم سے کم اجنبی اور فطری لگنے لگا۔ اسے لگا واسودیو بہت پہلے سے شاید ہمیشہ سے ویسا ہی تھا۔ سادہ اور فطری، صرف اسے سدھارتھ کو پہچاننے میں دیر لگی تھی۔ دراصل وہ خود بھی پہلے سے مختلف نہیں تھا۔ اس کے دل میں واسودیو کے لیے ویسا ہی احترام کا جذبہ پیدا ہوا جیسے عام لوگوں کے دلوں میں دیوتاؤں کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ اس طرح زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے گا۔ کہ واسودیو کے ساتھ اس کی دوستی مستقل نہیں ہو سکتی۔ اس نے اندر ہی اندر واسودیو کو الوداع کہنا شروع کر دیا۔ پھر بھی وہ مسلسل بولتا گیا۔

اس کی بات ختم ہوئی تو واسودیو نے اس کی طرف اپنی کمزور آنکھوں سے دیکھا۔ اس نے کہا تو کچھ نہیں۔ لیکن اس کا چہرہ محبت اور سکون، ہمدردی اور علم سے منور تھا۔ اس نے سدھارتھ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ندی کے کنارے لے گیا۔ اور اس کی بغل میں بیٹھ کر معصومیت سے مسکرایا۔

"تم نے اسے ہنستے ہوئے سنا ہے"۔ اس نے کہا "لیکن تم نے سب کچھ نہیں سنا ہے۔ چلو دونوں سنیں۔ تم اور بہت کچھ سنو گے"۔

وہ دونوں سنتے رہے۔ بے شمار آوازوں سے مزین ندی کی موسیقی دھیمے دھیمے گونج رہی تھی۔ سدھارتھ نے ندی کی بہاؤ میں کئی تصویریں دیکھیں۔ اس نے دیکھا اس کا باپ اکیلے اپنے بیٹے کے لیے رو رہا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو بھی تنہا اپنے بیٹے کے لیے روتے ہوئے دیکھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بھی تنہا دنیاوی ہوسناکیوں کے تپتے ریگستان پر چلتے دیکھا۔ ہر ایک اپنے نشانے پر مرکوز، ہر ایک اپنے نشانے سے متاثر، ہر ایک مغموم۔ ندی کی صدائیں مغموم تھیں۔ وہ چاہت اور دکھ کے گیت گا رہی تھی۔ اور اپنے نشانے کی سمت رواں تھی۔

"کیا تم سن رہے ہو؟" واسودیو کی خاموش نگاہ نے دریافت کیا۔ سدھارتھ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"اچھی طرح سنو"۔ واسودیو نے سرگوشی میں کہا۔

سدھارتھ نے اچھی طرح سننے کی کوشش کی۔ اس کے باپ کی تصویر، اس کی اپنی

تصویر، اور اس کے بیٹے کی تصویر، ایک دوسرے میں گھل مل رہی تھیں۔ کملا کی تصویر بھی نظر آئی۔ اور ان پر بہنے لگی۔ گووندا اور دوسرے لوگوں کی تصویریں نظر آئیں اور بہہ گئیں۔ وہ سب ندی کا ایک حصہ بن چکی تھیں۔ ندی ان سب کا مقدر تھی۔ ان سب کی چاہت امیدوں اور تکلیفوں کا نشانہ۔ اور ندی کی صداؤں میں چاہتوں کی روانی، درد کی کسک، فانی خواہشات کی لہریں تھیں۔ ندی اپنی منزل کی سمت رواں تھی۔ سدھارتھ نے دیکھا کہ ندی اسے اور اس کے تمام آشناؤں، بھائیوں، اور ان سب لوگوں کو جو بھی اس کی نظر کی زد میں آئے تھے، خود میں سمیٹے تیز رفتاری سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ ساری لہریں اور ندی کی روانی اپنے اپنے نشانوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ بے شمار منزلوں کی طرف۔ آبشار کی طرف سمندر کی طرف، اور وہ سبھی اپنے مقاصد کو حاصل کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے۔ پانی بھاپ بنتا تھا اور اوپر اٹھتا تھا۔ پھر بارش بن کر نیچے آتا تھا۔ آبشار ندی اور نالے بناتا تھا۔ نیا ہوتا تھا۔ اور پھر اپنے نئے روپ میں رواں ہو جاتا تھا۔ مگر وہ متجسس صدا تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ ابھی بھی تلخی محسوس کر رہا تھا۔ کسی تلاش میں مصروف مگر ان میں بے شمار دوسری صدائیں شامل ہو گئی تھیں۔ سکھ اور دکھ کی صدائیں۔ ہنستی اور روتی صدائیں۔ سینکڑوں آوازیں، ہزاروں صدائیں۔

سدھارتھ سنتا رہا۔ وہ اب غور سے سن رہا تھا۔ پوری طرح، ہمہ تن متوجہ، بالکل خالی الذہن ہو کر ہر چیز کو مرکز بنا کر، اسے تجربہ ہوا کہ وہ سننے کے فن کو مکمل طور پر سیکھ گیا ہے۔ وہ انھیں پہلے بھی سن چکا تھا۔ ندی کی بے شمار صداؤں کو۔ لیکن آج یہ آوازیں مختلف تھیں۔ وہ اب مختلف آوازوں کے فرق کو واضح نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ جوش کی صدا سے رونے کی آواز کو، معصوم صدا سے جوان آواز کو الگ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سب ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم تھے۔ خواہشات کے غلاموں کا رونا، عقلمندوں کی ہنسی، غصے ور کی چیخ پکار اور قریب المرگ کی کراہ، سب ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے۔ اور ہزاروں طرح سے منسلک تھے۔ اس نے دیکھا کہ سبھی آوازیں، سبھی نشانے، ساری تمنائیں، سبھی دکھ، سبھی سکھ، سبھی سچ اور جھوٹ مل کر دنیا کی تعمیر ہوتی ہے۔ سبھی مل کر حادثات کے بہاؤ کو بناتے اور زندگی کی موسیقی میں سوز بھرتے ہیں۔

ندی اور اس کی ہزاروں صداؤں کی موسیقی کو سنتے ہوئے سدھارتھ جب اتنا محو ہو گیا کہ وہ دکھ اور سکھ کی آوازوں میں تمیز کرنا بھول گیا۔ اس کی آتما کسی ایک آواز سے بندھی نہیں رہ گئی اور ان ساری آوازوں کو سنتے ہوئے بھی، اس نے ان سبھی کو اپنی آتما میں جذب کر لیا۔ تب اس اکمل کے، اس یکتا کے اندر سے ہزاروں آوازوں کا نچوڑ ایک عظیم آواز سنائی پڑی اور وہ آواز

تھی 'اوم' ....

"کیا تم سن رہے"؟ واسودیو کی آنکھوں نے اس سے پھر پوچھا۔

واسودیو کی مسکراہٹ میں ایک دنیا آباد تھی۔ اس کے بوڑھے کمزور چہرے کی ایک ایک جھری پر روشنی ایسی چمک رہی تھی جیسے ندی کی تمام صداؤں میں اوم منڈلا رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے اپنے دوست کے چہرے کو دیکھا، اس کی مسکراہٹ میں ایک بجلی چمکی۔ اور اب وہی مسکراہٹ سدھارتھ کے چہرے پر نظر آرہی تھی۔ اس کا زخم بھر رہا تھا، اس کا درد ختم ہونے لگا تھا۔ اس کی شکستہ آواز 'اہم برہما سمی' میں تحلیل ہو رہی تھی۔

اسی لمحہ سدھارتھ کی اپنی قسمت سے نبرد آزمائی ختم ہوگئی۔ اس کے چہرے پر علم و عرفان کی روشنی نظر آئی۔ اس کا اندروں خواہشات اور انتقام سے پاک ہو گیا۔ اب وہ ایسا ذی روح تھا جسے نجات حاصل ہو چکی تھی۔ زندگی کے بہاؤ سے جس کا انسلاک حادثات سے ہو گیا ہو۔ جو ہمدردی اور مہربانی سے لبریز ہو۔ جس نے روانی کے سامنے خود سپردگی کردی ہو۔ جو مکمل چیزوں کا غیر منقسم حصہ بن چکا ہو۔

واسودیو اٹھا۔ اس نے سدھارتھ کی آنکھوں میں دیکھا۔ اور انھیں عرفان سے لبریز پایا۔ اپنے رحم دل اور بزرگانہ اطوار کے مطابق اس نے سدھارتھ کے کندھے کو تھپتھپایا اور کہا۔ "میں اسی لمحے کا منتظر تھا، دوست۔ اب وہ آہی گیا ہے تو مجھے جانے دو۔ بہت دنوں تک میں نے، ملاح واسودیو نے خانگی زندگی کا تجربہ کیا اب یہ مکمل ہو گیا۔ الوداع جھونپڑی، الوداع ندی، الوداع سدھارتھ"۔

وداع ہوتے وقت اس عظیم انسان کے سامنے سدھارتھ نے احتراماً اپنا سر جھکایا۔

"یہ میں جانتا تھا"۔ اس نے دھیرے سے کہا۔ "کیا تم جنگل کی طرف جاؤ گے"؟

"ہاں میں جنگل کی طرف جا رہا ہوں۔ میں مکمل چیزوں کے غیر منقسم اجزا میں رہنے جا رہا ہوں"۔ واسودیو نے جوش میں کہا۔ اور چلا گیا۔ سدھارتھ اسے دیکھتا رہا۔ جوش اور سنجیدگی سے وہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے پر سکون نقوش قدم کو، روشن چہرے کو، مکمل پر نور جسم کو وہ دیکھتا رہ گیا۔

گووندا

گووندا نے ایک بار کچھ بھکشوؤں کے ساتھ اس باغیچے میں آرام کیا تھا، جسے کملا نے، ایک طوائف نے، گوتم کے معتقدین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس نے ایک ضعیف ملاح کے بارے میں سنا تھا جو وہاں سے ایک دن کے پیدل سفر کی دوری پر ایک ندی کے کنارے رہتا تھا۔ اور جسے لوگ رشی مانتے تھے۔ جب گووندا نے اگلا سفر شروع کیا تو اس نے اسی گھاٹ کا راستہ پکڑا۔ اسے ملاح کو دیکھنے کی شدید خواہش تھی۔ اگرچہ اس نے اپنی زندگی اصولوں کے مطابق پرہیزگاری سے گزاری تھی اور جوان بھکشو بڑی عمر اور شرافت کے سبب اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ پھر بھی اس کے دل میں ایک بے چینی تھی۔ اس کی تلاش ابھی ادھوری تھی۔

وہ ندی کے گھاٹ پر پہنچا اور اس نے بوڑھے ملاح سے ندی پار اتارنے کی درخواست کی۔ دوسرے کنارے پر اس نے بوڑھے سے کہا۔ تم سادھوؤں اور بھکشوؤں کے بڑے ہمدرد ہو۔ تم نے ہم میں سے بے شمار لوگوں کو ندی کے پار اتارا ہے۔ کیا ہماری طرح تم بھی تلاش حق میں ہو؟۔

سدھارتھ کی بوڑھی آنکھیں ہنسنے لگیں۔ "کیا تم بھی اپنے آپ کو 'متلاشی' کہتے ہو۔ تم، جو اتنے معتقد، اتنے عمر رسیدہ، اور گوتم کے بھکشوؤں کا سالبادہ پہنے ہو؟"

"یقیناً میں بوڑھا ہو گیا ہوں"۔ گووندا نے کہا۔ "لیکن میں ابھی تلاش میں کامیاب نہیں ہوا۔ میں کوشش جاری رکھوں گا۔ میرا یہی مقدر ہے۔ مجھے لگتا ہے تم نے بھی کھوج کی ہے۔ کیا تم اس سلسلے میں مجھے کچھ بتانا چاہو گے، میرے دوست"۔

سدھارتھ نے جواب دیا۔ "میں تمھیں ایسی کوئی بات نہیں بتا سکتا جو بیش قیمت ہو۔ سوائے اس کے کہ تم بہت زیادہ کی توقع رکھتے ہو۔ اور حاصل اس لیے نہیں کر سکتے کہ زیادہ تلاش کرتے ہو"۔

"اس کا مطلب؟" گووندا نے پوچھا۔

"جب کوئی تلاش میں ہوتا ہے"۔ سدھارتھ نے کہا۔ "تو وہ آسانی سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی کھوج میں لگا ہے۔ وہ اور کچھ پانے میں ناکام رہتا ہے۔ کسی بھی چیز سے منسلک نہیں ہو پاتا۔ کیوں کہ وہ اسی کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ جس کی اسے تلاش ہے۔ کیوں کہ اس کا ایک ہی نشانہ ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے نشانے سے ہی جڑا ہوتا ہے۔ تلاش کا مفہوم ہے۔ ایک مقصد۔ لیکن حاصل کا مفہوم ہے۔ آزاد ہونا۔ صلاحیت قبول ہونا۔ کوئی مقصد نہ ہونا۔ باصلاحیت شخص! تم شاید ایک سچے کھوجی ہو۔ اپنے مقصد کی طرف بڑھتے وقت تم ان بے شمار چیزوں کو بھی نہیں دیکھ پاتے جو ٹھیک تمھاری ناک کے نیچے ہوتی ہیں"۔

"میں تمھارا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھ پارہا ہوں"۔ گووندا نے کہا "تم ایسا کس طرح کہہ سکتے ہو"؟

سدھارتھ نے کہا۔ "باصلاحیت شخص! ایک بار کئی برس قبل تم اس ندی تک پہنچے تھے اور تم نے ایک آدمی کو سوتے دیکھا تھا۔ جب وہ سو رہا تھا، تم اس کی حفاظت کے لیے اس کے پاس بیٹھے رہے۔ لیکن گووندا تم نے اس سوتے ہوئے شخص کو پہچانا نہیں تھا"۔

متعجب اور سحر زدہ سا گووندا ملاح کو دیکھتا رہا۔

"کیا تم سدھارتھ ہو"۔ اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "میں تمھیں اس بار بھی نہیں پہچان پایا۔ میں تمھیں پھر سے دیکھ کر بے انتہا خوش ہوں سدھارتھ بہت خوش۔ تم بہت بدل گئے ہو میرے دوست۔ اور کیا اب تم ملاح بن گئے ہو؟"

سدھارتھ ہنسا۔ "ہاں۔ اب میں ملاح ہوں۔ کئی لوگوں کو بہت کچھ بننا پڑتا ہے۔ اور ہر طرح کا لباس پہننا پڑتا ہے۔ میں انھیں میں سے ایک ہوں۔ میرے دوست میں تمھیں خوش آمدید کہتا ہوں اور آج رات اپنی جھونپڑی میں ٹھہرنے کی دعوت دیتا ہوں"۔

گووندا رات میں سدھارتھ کی جھونپڑی میں رکا اور اس بستر پر سویا جو کبھی واسودیو کا تھا۔ اپنے بچپن کے دوست سے وہ کئی باتیں پوچھتا رہا۔ اور سدھارتھ کے پاس اسے بتانے کے لیے تھا بھی بہت کچھ۔

اگلی صبح جب گووندا کے وداع کا وقت آیا۔ تو اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "اس سے پہلے کہ میں اپنے راستے پر آگے بڑھوں تم سے ایک سوال اور کرنا چاہوں گا۔ سدھارتھ کیا ایسا کوئی اصول، کوئی یقین، کوئی علم ہے جس کی تم تائید کرتے ہو۔ جو تمھارے زندہ رہنے اور نیک عمل کرنے

میں معاون ہو"۔

سدھارتھ نے کہا۔ "تم جانتے ہو دوست کہ جب میں نوجوان تھا۔ جب ہم جنگلوں میں شرونوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اصولوں اور معلموں پر سے میرا اعتماد اٹھ گیا تھا۔ میں نے ان سے منہ موڑ لیا تھا۔ آج بھی میرا وہ یقین یا بے یقینی قائم ہے۔ حالاں کہ تب سے آج تک میرے کئی معلم ہو چکے ہیں۔ کافی عرصے تک ایک طوائف میری معلم رہی۔ میں نے ایک دولت مند تاجر اور ایک جواری سے بھی تعلیم حاصل کی۔ ایک بار بدھ کا ایک معتقد بھی میرا معلم بنا۔ جب میں جنگل میں سویا تھا اس نے میری حفاظت کی غرض سے اپنا سفر ملتوی کر دیا تھا۔ میں نے کچھ اس سے بھی سیکھا۔ اور میں اس کا احسان مند ہوں، بہت احسان مند۔ لیکن زیادہ تر میں نے اس ندی سے، اپنے ماقبل ملاح واسودیو سے سیکھا ہے۔ وہ ایک عام آدمی تھا۔ وہ کوئی مفکر نہیں تھا۔ لیکن اس نے گوتم کی طرح زندگی کی اہمیت کا احساس کر لیا تھا۔ وہ مقدس روح تھا، مہاتما تھا"۔

گووندا نے کہا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے سدھارتھ۔ کہ تھوڑی بہت دل لگی کرنا تمھیں آج بھی اچھا لگتا ہے۔ میرا تم پر یقین ہے کہ تم نے کسی بھی استاد کی تقلید نہیں کی لیکن تمھارے پاس اگر کوئی اصول نہیں ہے۔ تو کیا کچھ یقینی خیالات بھی نہیں ہیں؟ کیا تم نے خود کوئی یقینی علم حاصل نہیں کیا جو تمھاری زندہ رہنے میں معاونت کرتا ہو۔ اگر اس کے بارے میں مجھے کچھ بتاتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی"۔

سدھارتھ نے کہا۔ "ہاں ادھر ادھر سے کچھ خیالات میں نے پائے ہیں کبھی کبھی ایک پہر یا ایک دن کے لیے مجھے عرفان کا احساس بھی ہوا ہے۔ اسی طرح جیسے کوئی اپنے دل میں زندگی کا وجود پاتا ہے، میرے دل میں کئی خیالات آتے رہے۔ لیکن تمھیں ان سب کے بارے میں بتانا میرے لیے مشکل ہی ہو گا۔ لیکن ایک خیال ہے جو مجھے متاثر کیے رہا۔ اور وہ یہ کہ عرفان دوسروں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ علم جسے عارف دوسروں میں بانٹنا چاہتے ہیں حماقت ہے۔

"کیا تم سچ مچ مذاق کر رہے ہو"؟ گووندا نے پوچھا۔

"نہیں میں تمھیں اپنی تلاش کے بارے میں بتا رہا ہوں۔ معلومات تقسیم کی جا سکتی ہے عرفان نہیں۔ انسان اسے حاصل کر سکتا ہے۔ خود کو اس کے ذریعے قوی بنا سکتا ہے۔ اس سے کرامات دکھا سکتا ہے۔ لیکن نہ کوئی اسے بتا سکتا ہے، نہ پڑھا سکتا ہے۔ مثلاً حق اگر واحد ہے تو الفاظ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ہر چیز جو الفاظ میں سوچی اور ظاہر کی جا سکتی ہے سطحی اور ایک طرفہ ہوتی ہے۔ صرف آدھی سچائی۔ اس میں تکمیل اور اکملیت کی کمی ہوتی ہے۔ جب بدھ نے دنیا کے بارے میں

درس دیئے تو انھیں بھی اسے کائنات اور عرفان میں، ناحق اور حق میں، دکھ اور نجات میں تقسیم کر کے پیش کرنا پڑا۔ درس دینے والوں کے لیے کوئی دوسرا طریقہ ہے ہی نہیں۔ لیکن دنیا اپنے آپ میں جو ہمارے اندر اور چہار سمت ہے، واحد نہیں ہے۔ کوئی عمل کبھی بھی مکمل شکل میں نہ دنیا ہے نہ عرفان۔ کوئی آدمی مکمل شکل میں نہ سادھو ہے نہ گناہ گار۔ ایسا اس لیے دکھائی پڑتا ہے کہ ہم غلط نقطۂ نظر سے آگے بڑھتے ہیں۔ کہ وقت اپنے آپ میں کوئی حقیر چیز ہے۔ وقت حقیقت نہیں ہے گووندا۔ میں نے اسے بار بار محسوس کیا ہے۔ اور اگر وقت حقیقت نہیں ہے تو آفاقی اور کائناتی زندگی کے درمیان، دکھ اور سکھ کے درمیان۔ حق اور ناحق کے درمیان خط انقسام ایک دھوکا ہے''۔

''وہ کیسے؟'' گووندا نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''سنو میرے دوست، میں بھی گناہ گار ہوں، تم بھی گناہ گار ہو۔ لیکن کسی دن گناہ گار 'برہم' ہو جائے گا۔ کسی دن وہ بھی عرفان حاصل کر لے گا۔ کسی دن بدھ بن جائے گا۔ اب یہ کسی دن ایک دھوکا ہے۔ یہ صرف توقع ہے۔ گناہ گار بدھ بننے کے راستے پر نہیں چلتا ہے۔ وہ آگے نہیں بڑھتا ہے۔ ہماری قوت فکر چیزوں کا ظاہر سے مختلف تصور کر ہی نہیں سکتی۔ نہیں، اس گناہ گار میں پہلے سے بدھ موجود ہوتا ہے۔ اس کا مستقبل وہاں پہلے سے ہی ہوتا ہے۔ اس کے اندر پوشیدہ بدھ کو پہچانا جا سکتا ہے۔ جو اس میں ہے، تم میں ہے اور سب میں ہے۔ دنیا نامکمل نہیں ہے گووندا اور نہ تکمیل کے طویل راستے پر آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہے۔ نہیں یہ ہر لحہ مکمل ہے۔ ہر گناہ میں کاوش پہلے ہی سے ہوتی ہے۔ سبھی ننھے بچوں میں عمر رسیدگی پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہر مرنے والے میں ابدی زندگی بھی ہوتی ہے۔ استغراق کی حالت میں وقت کی حدود سے آزادی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک ساتھ مکمل شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور تب ہر چیز حق ہو جاتی ہے، مکمل ہو جاتی ہے، برہم ہو جاتی ہے۔ ہر چیز ضروری ہے۔ ہر چیز کو صرف میری منظوری اور والہانہ ہمدردی چاہیے۔ تب میرے لیے سب کچھ صحیح ہے اور مجھے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں نے اپنے جسم اور آتما سے سیکھا کہ میرے لیے گناہ کا عمل لازمی تھا۔ میرے لیے عیاشی ضروری تھی۔ مجھے مال و دولت کے لیے جدوجہد کرنا لازمی تھا اور نفرت اور ندامت کی گہرائی کی مخالفت کرنا سیکھنے کے لیے تجربہ کرنا ہی تھا۔ مجھے دنیا سے محبت کرنا سیکھنا ہی پڑا۔ تاکہ میں زندگی اور کائنات سے محبت کر سکوں۔ کسی خیالی زندگی اور خیالی دنیا سے اس کا موازنہ نہ کرنے لگوں۔ اور بجائے اس کے کہ 'تکمیل' اور 'غیر منقسم' کے جھوٹے تصورات میں الجھا رہوں، اسے جیسا ہے ویسا ہی رہنے دوں اور اسے پیار کروں۔ اور احسان مند رہوں کہ میں بھی اس کا ایک حصہ

ہوں۔اسی طرح کے کچھ خیالات میرے پاس ہیں"۔

اتنا کہہ کر سدھارتھ نیچے جھکا اور زمین سے ایک پتھر اٹھا کر اسے اپنے ہاتھ میں تھامے رہا۔

اس نے پتھر کو الٹتے پلٹتے ہوئے کہا۔"یہ ایک پتھر ہے اور ایک یقینی عرصے کے بعد یہ شاید مٹی بن جائے گا اور مٹی سے پودا۔جانور یا آدمی بن جائے گا۔اس سے پہلے مجھے کہنا چاہیے تھا۔ یہ پتھر صرف ایک پتھر ہے۔اس کی کوئی قیمت نہیں۔یہ فانی دنیا کی چیز ہے۔لیکن تبدیلی کے دائرے میں ہونے کی وجہ سے شاید یہ آدمی یا ذی روح بن سکتا ہے۔اس لیے اس کی بھی اہمیت ہے۔یہی مجھے سوچنا چاہئے تھا۔لیکن اب میں سوچتا ہوں یہ پتھر، پتھر ہے، جانور، انسان اور بدھ بھی ہے۔میں اسے پیار اور عزت اس لیے نہیں دیتا ہوں کہ ابھی یہ ایک چیز ہے اور پھر کسی اور شکل میں تبدیل ہو جائے گا۔بلکہ اس لیے کہ یہ بہت پہلے ہی سے سبھی کچھ تھا اور ہمیشہ سبھی کچھ رہے گا"۔

گووندا چپ چاپ سن رہا تھا۔

"تم نے مجھے پتھر کے بارے میں کیوں بتایا؟" طویل خاموشی کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے یہ انجانے میں ہی کیا۔لیکن شاید اس سے واضح ہوتا ہے کہ میں پتھر کو ایسے ہی پیار کرتا ہوں جیسے ندی کو اور ان سب چیزوں کو بھی جنھیں ہم دیکھ سکتے ہیں۔اور جن سے ہم سیکھتے بھی ہیں۔میں ایک پتھر سے پیار کر سکتا ہوں گووندا ایک درخت سے بھی۔یا درخت کی چھال سے بھی۔یہ سبھی چیزیں ہیں۔اور چیزوں کو کوئی بھی پیار کر سکتا ہے۔لیکن الفاظ سے کوئی پیار نہیں کر سکتا ہے۔اس لیے درس میرے لیے بے معنی ہے۔شاید یہی بات تمھیں حصول سکون میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔شاید وہاں بہت زیادہ الفاظ ہیں۔یہاں تک کہ نجات اور نیک اعمال کے لیے بھی بے شمار الفاظ ہیں۔اور دنیا اور عرفان بھی صرف الفاظ ہیں۔گووندا۔عرفان کوئی چیز نہیں ہے۔صرف ایک لفظ ہے"۔

گووندا نے کہا۔"عرفان صرف ایک لفظ ہی نہیں ہے میرے دوست یہ ایک تصور بھی ہے"۔

سدھارتھ نے بات جاری رکھی۔"ہو سکتا ہے کہ یہ ایک تصور ہو۔لیکن میں یہ واضح کر دوں دوست کہ میں تصورات اور الفاظ میں کوئی فرق نہیں سمجھتا ہوں۔میں چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔مثلاً میں اس آدمی کو لیتا ہوں جس کی یہ ناؤ ہے اور جو میرا ماقبل اور معلم تھا۔وہ ایک مقدس روح تھا۔اس نے برسوں تک صرف ندی پر یقین کیا اور کسی پر نہیں۔اسے ایک بار لگا تھا کہ ندی اس سے باتیں کرتی ہے۔اس نے اس سے سیکھا تھا۔اس سے تعلیم حاصل کی تھی اور اس

کے درس سنے تھے۔ ندی اس کے لیے دیوتا کے ہم پلہ تھی اور برسوں تک اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ہر ہوا، ہر بادل، ہر پرندہ، ہر بھنور اسی ندی کی طرح دیوتائی صفات کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ مقدس روح جنگل کی سمت گئی۔ تو وہ سب کچھ جان گئی تھی۔ وہ تم سے اور مجھ سے زیادہ جانتا تھا۔ بغیر استاد کے، بغیر کتابوں کے، صرف ندی پر یقین کر کے"۔

گووندا نے کہا۔"لیکن تم چیز کو کیا کہتے ہو۔ کیا اس میں کچھ حق ہے۔ کچھ غیر فانی بھی ہے۔ کیا یہ صرف دھوکا اور فریب نہیں ہے۔ صرف سایہ اور شکل، تمھارا پتھر، تمھارے درخت کیا حق ہیں؟"

"مجھے اس سے کوئی پریشانی نہیں"۔ سدھارتھ نے کہا۔"اگر یہ فریب ہے تو میں بھی ایک فریب ہوں۔ اور اسی طرح ان کی بھی ہمیشہ وہی صورت ہوگی جو میری ہوگی۔ یہی وہ بات ہے جو انھیں محبوب بناتی ہے، محترم بناتی ہے۔ اسی لیے میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ اور ایک اصول ہے جس پر شاید تم ہنسو گے۔ مجھے ایسا لگتا ہے گووندا کہ دنیا میں محبت ہی سب سے اہم چیز ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ دنیا میں محبت کرنا ہی سب سے اہم ہے۔ اس کی توہین نہیں"۔

"میں سمجھتا ہوں"۔ گووندا نے کہا"لیکن یہ وہی ہے جسے گوتم نے 'ناحق' بتایا ہے۔ فانی بتایا ہے۔ مایا بتایا ہے۔ وہ دوسروں پر احسان کرنا، ہمدردی کرنا، دوستی کرنا اور صبر کرنا ٹھیک سمجھتے ہیں۔ لیکن محبت کو نہیں"۔

"میں جانتا ہوں"۔ سدھارتھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔"میں جانتا ہوں گووندا۔ اور یہیں ہم اپنے کو مفاہیم کی بھول بھلیوں میں اور الفاظ کے ٹکراؤ میں گھرا پاتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ میرا موضوع محبت لفظ بظاہر گوتم کی تعلیمات کے خلاف جاتا ہے۔ دوست یہی وجہ ہے کہ میں الفاظ پر یقین نہیں رکھتا کیونکہ میں مانتا ہوں کہ یہ فرق ایک فریب ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ گوتم اور میں ایک جگہ آکر ملتے ہیں۔ وہ محبت کو کیسے فراموش کر سکتا ہے جو سارے عالم کی بے معنویت کی جانتا ہے۔ جب کہ وہ انسانیت سے اتنی زیادہ محبت بھی کرتا ہے کہ اپنی زندگی لوگوں کی مدد کرنے اور درس دینے کے لیے وقف کر چکا ہے"۔

کافی دیر تک دونوں خاموش رہے۔ پھر چلنے کی تیاری کرتے ہوئے گووندا نے کہا۔ "سدھارتھ تم نے اپنے خیالات مجھے بتائے اس کے لیے میں تمھارا ممنون ہوں۔ ان میں کچھ اتنے عجیب ہیں کہ میں فوری طور پر انھیں سمجھ نہیں سکا۔ پھر بھی میں تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں تمھارے لیے بے شمار پرسکون روز و شب کی دعا کرتا ہوں"۔

گووندا نے اپنے دل میں سوچا، سدھارتھ عجیب آدمی ہے۔ اس کے خیالات بھی اتنے ہی عجیب ہیں۔ اس میں دیوانگی ہے۔ گوتم کے خیالات اس سے کس قدر مختلف ہیں۔ وہ واضح ہیں۔ سادہ ہیں۔ سمجھ میں آنے والے ہیں۔ ان میں عجیب کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ بھی مضحکہ خیز نہیں ہیں۔ لیکن سدھارتھ کے ہاتھ پاؤں، اس کی آنکھیں، اس کی پیشانی، اس کا تنفس، اس کی مسکراہٹ، اس کے آداب، اس کی چال، اس کے خیالات سے مختلف اثر چھوڑتے ہیں۔ گوتم بدھ کے حصول عرفان کے بعد سے میں سدھارتھ کے سوا کسی دوسرے آدمی سے نہیں ملا جس کے بارے میں میں نے سوچا ہو کہ یہ مقدس روح ہے۔ اس طرح کے خیالات میں غرق اور ذہنی کشمکش میں الجھے گووندا نے پرسکون انداز میں بیٹھے اس آدمی کے سامنے سر جھکایا۔

"سدھارتھ"۔ اس نے کہا۔ "اب ہم بوڑھے ہوگئے ہیں۔ اس جنم میں شاید ہم پھر ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ میں دیکھ رہا ہوں دوست کہ تم نے سکون حاصل کر لیا ہے۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں۔ کہ میں اسے نہیں حاصل کر سکا۔ مجھے ایک بات اور بتاؤ۔ میرے محترم دوست۔ ایسی کوئی بات بتاؤ جس پر میں غور و فکر کر سکوں۔ جسے میں سمجھ سکوں۔ میرا راستہ اکثر مشکل اور تاریک رہا ہے"۔

سدھارتھ خاموش تھا اور اپنی پرسکون مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ گووندا اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ بے چینی کے ساتھ۔ امید کے ساتھ۔ اس کی نظر میں سوز، مسلسل تلاش، مسلسل ہار کے سائے تھے۔ سدھارتھ نے یہ دیکھا اور مسکرایا۔

اس نے گووندا سے سرگوشی کی۔ گووندا میرے قریب آؤ، بالکل قریب اور میری پیشانی پر بوسہ دو۔

گووندا مخمصے میں پڑ گیا، لیکن دوست کے لیے بے حد محبت اور اس کا حکم ماننے کی خواہش سے وہ اس پر جھکا اور اپنے ہونٹوں سے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ ایسا کرنے کے بعد ہی اسے ایک عجیب احساس ہوا۔ حالانکہ وہ سدھارتھ کے عجیب خیالات میں ابھی ڈوبا تھا۔ وقت کے تصور کو چھوڑ دینے کے لیے، عرفان اور دنیا کو واحد سمجھنے کے لیے جب وہ فضول جدوجہد کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب دوست کے احترام اور محبت کے جذبے کے ساتھ ساتھ اس کے کہے گئے الفاظ کے لیے ہلکی عدول حکمی کا جذبہ بھی اس کے دل میں تھا۔ پھر بھی اسے یہ عجیب و غریب احساس ہوا۔

اس کے بعد اسے سدھارتھ کا چہرہ پھر نظر نہیں آیا۔ اس کے بجائے اس نے دوسرے چہرے دیکھے۔ کئی چہرے، چہروں کی ایک لمبی قطار، چہروں کی بہتی دھار۔ سینکڑوں اور ہزاروں

چہرے جو آتے تھے اور پھر غائب ہو جاتے تھے۔ اور پھر بھی سبھی ایک ہی وقت ایک ساتھ موجود لگتے تھے۔ جو بار بار تبدیل اور بار بار زندہ ہوتے رہتے تھے اور سبھی سدھارتھ لگتے تھے۔ اس نے ایک مچھلی کا منہ دیکھا۔ اس نے ایک نومولود بچے کا چہرہ دیکھا۔ لال اور جھریوں سے بھرا ہوا۔ اور رونے کو تیار۔ اس نے ایک قاتل کا چہرہ دیکھا۔ ٹھیک اس لمحہ اس گناہ گار کو گھٹنوں کے بل جھکا ہوا اور بندھا ہوا دیکھا۔ اور ایک جلاد کو اس کا سر کاٹتے دیکھا۔ اس نے عورتوں مردوں کو عریاں مباشرت کرتے دیکھا۔ اس نے بکھری ہوئی بے جان سرد، سونی لاشیں پڑی دیکھیں۔ اس نے جانوروں، خنزیروں، مگرمچھوں، ہاتھیوں، بیلوں اور پرندوں کے سر دیکھے۔ اس نے پانی اور آگ کو دیکھا۔ اس نے ان شکلوں اور چہروں کو ایک دوسرے سے سینکڑوں تعلقات سے بندھے دیکھا۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے، محبت کرتے ہوئے، ایک دوسرے کا خاتمہ کرتے ہوئے، اور دوبارہ زندہ ہوتے ہوئے۔ ہر چیز فانی اور ختم ہو جانے کی تکلیف دہ مثال تھی۔ پھر بھی ان میں سے کوئی بھی مرتی نہیں تھی۔ وہ سب شکلیں اور چہرے آرام کرتے تھے، بہتے تھے اور نئی زندگی پاتے تھے۔ دور تک تیرتے تھے، اور ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے تھے۔ اور ان سب کے اوپر مسلسل کوئی باریک چیز، غیر حقیقی پھر بھی موجود چیز پتلے کانچ یا برف کی پتلی پرت کی طرح آر پار پھیلی ہوئی تھی۔ سدھارتھ کے مسکراتے چہرے کی طرح جسے گووندا نے اس لمحہ اپنے ہونٹوں سے چھوا تھا۔

اب اسے یہ بھی پتہ نہ رہا کہ وقت کا وجود ہے یا نہیں۔ کہ یہ اتبدا ایک لمحے کے لیے ہے یا سو برسوں تک کے لیے۔ وہاں پر سدھارتھ تھا یا گوتم تھا۔ کوئی آتما تھی یا کچھ اور۔ ایک آفاقی تیر سے مجروح، سحر زدہ، اور پرجوش گووندا ایک لمحہ کے لیے کھڑا سدھارتھ کے پرسکون چہرے پر جھکا رہا جس کا اس نے ابھی ابھی بوسہ لیا تھا۔ جو کہ مکمل ماضی، حال اور مستقبل کی شکلوں کی حالت تھی۔ اس سینکڑوں شکلوں کے آئینے کے غائب ہونے کے بعد اس کا چہرہ ویسے کا ویسا تھا۔ وہ سکون کے ساتھ اور دھیرے سے مسکرایا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے گوتم مسکراتے تھے۔

گووندا نے جھک کر اسے تعظیم دی۔ اس کے بوڑھے چہرے پر آنسوؤں کی ایک دھار بہہ نکلی۔ عظیم محبت، نرم دلی اور احترام کے جذبے سے مغلوب وہ نیچے جھکا۔ نیچے زمین تک۔ غیر متحرک بیٹھے اس شخص کے روبرو، جس کی ایک مسکراہٹ نے اسے ان سبھی چیزوں کی یاد دلا دی تھی۔ جس سے اس نے کبھی زندگی میں پیار کیا تھا۔ اور جو اس کی زندگی میں بیش قیمت اور مقدس تھیں۔

یعقوب یاورؔ کی چند دوسری کتب

دلِ مَن

(ناول)

☆ پانچ ہزار سالہ قدیم تمدنِ سندھ کے پس منظر میں اردو کا پہلا ناول۔

☆ عورتوں کی زبوں حالی کے دور میں ایک عورت کی بغاوت کی داستان۔

☆ جبر و ظلم اور سازش و انتقام کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والی محبت کی کہانی۔

☆ قدیم تہذیب و تمدن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک بے مثال تحفہ۔

عزازیل

(زیرِ طبع ناول)

☆ ابلیس کے سوانح پر مبنی اردو میں لکھا جانے والا پہلا ناول۔

☆ ایک ایسی دنیا کی کہانی جو نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔

☆ ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیوں کیا؟ اسباب و علل کے گورکھ دھندے میں الجھے سوال کا جواب۔

☆ دوسو سے زاید صفحات پر پھیلے اس ناول کو پڑھنے کا انتظار کیجیے۔

الف

(شعری مجموعہ مطبوعہ ۱۹۸۸ء)

"یعقوب یاور کی شاعری بیک وقت روایت سے انحراف بھی کرتی ہے اور اس کی پاسدار بھی ہے۔ یہ دو سرکش گھوڑوں پر ایک ساتھ سواری کرنے جیسا خطرناک عمل ہے لیکن جب فن کار ایسے خطروں سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوتا نظر آئے تو نہ چاہتے ہوئے بھی لوگوں کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور دوست تو خیر دوست ہوتے ہیں باضمیر دشمن بھی اسے داد سے نوازنے پر مجبور ہوتا ہے۔"

پروفیسر مظفر حنفی

قلم گوید

(شعری مجموعہ مطبوعہ ۲۰۰۰ء)

"یعقوب یاور ان محتاط اور مخلص شاعروں میں شامل ہیں جنھوں نے غزل کی فنی اور جمالیاتی قدروں کا احترام کرتے ہوئے اپنی تخلیقی طاقت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ان کی شاعری میں ان کے سائے اور ہم سائے پوری طرح جلوہ گر ہیں میری مراد ان کی ذات اور کائنات سے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ غزل کے مزاج داں اور ادا شناس ان کی شاعری کو محبت کے ساتھ پڑھیں گے۔"

پروفیسر عنوان چشتی

دیگر تراجم

۱۔ ڈاکٹر ژواگو	بورس پاسترنک
۲۔ رقص اجل	کین فالیٹ
۳۔ درۂ خیبر کے اس پار	کین فالیٹ
۴۔ اقلیم اسود	ماریو پوزو
۵۔ کمند ہوا	اگاتھا کرسٹی
۶۔ طاق نسیاں	اگاتھا کرسٹی
۷۔ شب گزیدہ	اگاتھا کرسٹی
۸۔ زہراب نیل	اگاتھا کرسٹی
۹۔ پتلی گھر	ہینرک ابسن